چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں۔ مرتبہ مولوی محمد شہاب الدین صاحب ندوی تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۵۸ قیمت ۵ روپے پتہ (۱) فرقانیہ اکیڈمی چک باداد بنگلور، نارتھ (۲) آئیڈیل بک سنٹر اوینیو روڈ۔ بنگلور ۲

سائنس کی موجودہ ترقیوں خصوصاً خلائی پرواز اور چاند کی تسخیر نے جو شکوک و شبہات پیدا کردیے ہیں، ان کے ازالہ کے لیے اردو میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، مگر ان سب میں زیر نظر کتاب زیادہ مبسوط ہے، اس کے لائق مصنف نے دقت نظر سے قرآن مجید کا مطالعہ بھی کیا ہے، اور وہ ایک حد تک جدید نظریات سے بھی واقف ہیں، اس لیے انھوں نے ان دونوں کی روشنی میں یہ دکھایا ہے کہ تسخیر قمر اور اس طرح کے دوسرے سائنسی انکشافات قرآنی تصریحات کے منافی نہیں ہیں بلکہ درحقیقت قرآن کے اعجاز و صداقت کی دلیل اور ایمان و یقین میں اضافہ و پختگی کا موجب ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے بعض آیتوں سے بڑے دلچسپ نکتے اور مفید حقائق اخذ کیے ہیں، اصولی حیثیت سے انکا نقطۂ نظر بالکل صحیح ہے مگر اس کو ثابت کرنے اور بعض مزعومات کی تردید کے لیے انھوں نے بعض آیتوں سے جو نتائج مستنبط کیے ہیں، ان سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، مصنف کی یہ پہلی کتاب ہے، اس لیے تکرار، طوالت اور حشو و زوائد سے خالی نہیں ہے، اور اکثر جگہ جذباتی اور مناظرانہ رنگ بھی پیدا ہو گیا ہے، مگر ان فروگذاشتوں کے باوجود یہ مفید اور معلوماتی ہے، ہونہار مصنف کا وقت کے اس اہم اور ضروری مسئلہ پر توجہ کرنا حوصلہ افزائی کا مستحق ہے۔ شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے ایک مفید مقدمہ بھی ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۹ ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۷۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات

برسوں کے انتظار کے بعد بالآخر مسلم یونیورسٹی بل پاس ہوگیا اور سارے وعدوں اور یقین دہانیوں کے برخلاف اس کا اقلیتی کردار بڑی حد تک ختم کردیا گیا، اس اہم بل کو جس پر بڑے غور و فکر اور بحث و مباحثہ کی ضرورت تھی اس عجلت سے پاس کیا گیا کہ اس جھگڑے میں پڑنے کی نوبت ہی نہ آئے، اس نے ہندوستان کے دستور سے اقلیتوں کا اعتماد متزلزل کردیا، دستور نے اقلیتوں کو اپنی ضرورت اور پسند کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حق دیا ہے، اور حکومت ان کو امداد دینے کی ذمہ دار ہے، وہ اپنی گرہ سے نہیں بلکہ اقلیتوں ہی کے ادا کردہ ٹیکس سے دیتی ہے، اسلئے محض امداد دینے کی بنا پر اسکو کسی ادارے کے کردار کو بدلنے کا حق نہیں ہے، لال بہادر شاستری سے لیکر اس وقت تک حکومت کے سارے ذمہ دار اس کا یقین دلاتے رہے کہ مسلم یونیورسٹی کا کردار باقی رکھا جائیگا، مسز اندرا گاندھی نے بھی اپنے الکشن منشور میں اسکی طرف اشارہ کیا تھا، مسٹر نور الحسن اپنی تقریروں اور بیانات میں بھی اس کا یقین دلاتے رہے مگر یہ سارے وعدے طاقِ نسیاں کے حوالے کردیئے گئے، اور مسٹر چھاگلہ نے جو کارِ خیر شروع کیا تھا مسٹر نور الحسن نے اس کو تکمیل تک پہنچا دیا اور مسلمانوں کی جھوٹی تسلی کے لئے اقلیتی کردار کے بجائے تاریخی کردار کی نئی اصطلاح وضع کی گئی ہے، اور اس کو باقی رکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، ان دونوں کے دقیق فرق کو حکومت ہی سمجھ سکتی ہے، یونیورسٹی کے نام کے علاوہ اور کونسا تاریخی کردار باقی رکھا گیا ہے، اس بل میں یہی ایک چیز ایسی ہے جس سے کسی حد تک یونیورسٹی کا پرانا کردار باقی رہنے کی امید ہے،

مسلمان اقتصادی اور تعلیمی دونوں حیثیتوں سے پچھڑے ہوئے ہیں اس لئے تعلیمی سہولتوں کے زیادہ مستحق ہیں، ان کو مسلم یونیورسٹی میں جو سہولتیں حاصل تھیں، اس بل نے اس کا دروازہ بند کردیا، مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے دوسری یونیورسٹیوں میں ان کے لئے مختلف قسم کی دشواریاں ہیں،

مسلم یونیورسٹی میں ان کو ایسی سہولتیں حاصل تھیں کہ غریب اور معمولی ذہن کے طلبہ بھی تعلیم حاصل کرلیتے تھے، یونیورسٹی کا نظم و نسق مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا، ہر شعبہ میں ان کی اکثریت تھی، اس بل میں اسکی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے رفتہ رفتہ ان کی تعداد اتنی گھٹ جائیگی کہ بالکل غیر موثر ہوجائیگی، اس میں اور دوسری یونیورسٹیوں میں کوئی فرق نہ رہجائیگا، اس طرح مسلمانوں پر تعلیم کا دروازہ تنگ ہوجائے گا،

اور یہ سب کچھ سیکولرزم قومی وحدت و یکجہتی اور قومی دھارے کے نام سے کیا جارہا ہے، جو درحقیقت اس کے خلاف ہے، سیکولرزم اور قومی یکجہتی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ملک کے سارے باشندوں کو ایک رنگ میں رنگ دیا جائے، صحیح سیکولرزم اور جمہوریت یہ ہے کہ ہر اقلیت کو اسکی تہذیب و ثقافت کے مطابق نشو و نما اور ترقی کا موقع دیا جائے جس میں تعلیم بھی داخل ہے اسی لئے ہندوستان کے دستور میں اسکی ضمانت دی گئی ہے، کسی سیکولر اور جمہوری حکومت خصوصاً ہندوستان جیسے بر اعظم کا حسن جو مختلف مذہبوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے یکرنگی میں نہیں بلکہ رنگارنگی میں ہے، قانون کے ذریعہ یکرنگی اور یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش قدرت کے بھی خلاف ہے اور تاریخی حقائق کے بھی، چنانچہ کبیر اور اکبر کے زمانہ سے اس وقت تک اسکی جس قدر کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں اور آئندہ بھی ناکام رہیں گی، کوئی خوددار اقلیت بھی اپنی خصوصیات بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتی اور مسلمان تو ایک شاندار تہذیب و درخشاں تاریخ کے مالک ہیں، مولانا ابو الکلام اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے قوم پرور بھی اپنی تہذیبی روایات کا ایک جز بھی چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھے جس پر ان کی تقریریں شاہد ہیں، حکومت کے قومی وحدت و یکرنگی کے اس تصور اور جن سنگھ کے بھارتیہ کرن میں الفاظ کی خوبصورتی اور بھدے پن کے علاوہ اور فرق کیا ہے؟

اس سے انکار نہیں کہ قومی وحدت و یکجہتی قومی دھارے میں اقلیتوں کی شرکت خود ان کے اور ملک دونوں کے لئے مفید اور ضروری ہے، مگر اسکی جو شکلیں اختیار کی جاتی ہیں، اس سے وحدت کے بجائے اور انتشار پیدا ہوتا ہے، یہ چیزیں قانون اور جبر کے ذریعہ نہیں، بلکہ باہمی اتحاد اور خیرسگالی سے پیدا ہوتی ہیں، جبر سے اور دوری ہوتی ہے، اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ دستوری تحفظات کے ساتھ مسلمانوں کو عمل سے بھی اس کا یقین دلایا جائے کہ وہ اس

ملک کے شہری اور ملکی حقوق میں برابر کے حصہ دار ہیں، بے بس اقلیت نہیں اگر عمل یہ ہے کہ اردو زبان تقریباً ختم کردی گئی، اب اترپردیش کی حکومت نے اس کی طرف کچھ توجہ کی ہے، مسلمانوں کا پرسنل لا بدلنے کی تمہید شروع ہوگئی ہے مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار باقی رکھ کر حکومت مسلمانوں کا دل جیت سکتی تھی، مگر ان کے متفقہ مطالبہ کے باوجود اس کو مسخ کر دیا گیا، اس کا ان پر کیا اثر پڑیگا، وہ قومی دھارے سے قریب ہوں گے یا دور ہو جائیں گے، یہ بالکل ظاہر ہے جو شکل سے مندمل ہوگا، اب بھی حکومت اس بل میں مناسب ترمیم کرکے اس کی تلافی کر سکتی ہے، یہ چیز نہ صرف مسلمانوں بلکہ ملک کے لئے ضروری ہے، ہندوستان میں دو سو کے قریب اور اس صوبہ میں سات آٹھ یعنی سیکولر، قومی وحدت و یکجہتی کی علم اور قومی دھارے کی ساگر یونیورسٹیاں ہیں، اگر ایک مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو قائم رکھا جاتا تو ان چیزوں پر کیا اثر پڑتا، جب کہ مسلم یونیورسٹی بھی اس حیثیت سے قومی اور سیکولر ہے کہ اس کا دروازہ کسی کے لئے بند نہیں ہے ورنہ تنہا لفظ مسلم سے کیا حاصل، اس کو بھی نکال دینا چاہئے تاکہ وہ ہر حیثیت سے خالص سیکولر بن جائے،

مسلمانوں کے مسائل میں حکومت بڑی غلطی یہ کرتی ہے کہ ان کے اصلی نمایندوں کے بجائے ان لوگوں پر اعتماد کرتی ہے جن کو مسلمانوں کے مفاد سے کوئی ہمدردی نہیں ان کا مقصد صرف ذاتی جاہ و اقتدار ہے اس لئے اس کو ان کی ترجمانی پر کوئی حق نہیں ہے، جب تک مولانا ابوالکلام، ڈاکٹر ذاکر حسین بلکہ ہمایوں کبیر تک حکومت کے مشیر کار رہے انھوں نے اس کو غلط قدم اٹھانے سے روک رکھا، ان کے بعد ان کے جانشین وہ لوگ ہوئے جو اپنی غرض کے بندے اور حکومت کے چشم و ابرو کے اشارے کے پابند ہیں، ان کو مسلمانوں کے مفاد سے کوئی تعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک مولانا ابوالکلام تھے جنھوں نے اس وقت مسلم یونیورسٹی کو بچایا جب اس کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا، اور ایک ان کے جانشین ہیں جنھوں نے اس کا کردار مسخ کرکے دم لیا، مگر یہ فیصلہ مشکل ہے کہ حکومت ان کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرتی ہے یا وہ حکومت کو اپنے اغراض کے لئے،

مقالات

تہذیب کی تشکیل جدید

از جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(۴)

مغربی تہذیب میں عورت ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہے

مغربی تہذیب میں مرد کی قوامیت (سربراہی) ختم ہوگئی ہے جس سے خاندان کی تربیتی وحدت باقی نہ رہی اور عورت ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہوگئی، اس آزادی میں اپنی اصلاح سے زیادہ غالباً مرد سے انتقام کا جذبہ کارفرما ہے، اسی لیے وہ ہر میدان میں مرد سے مقابلہ کر رہی ہے، حتی کہ بد اخلاقی (جنسی آزادی) میں بھی اس نے مرد سے برابر حقوق حاصل کرلیے ہیں، اور اس کے پرسنل معاملات میں شوہر یا اور کسی کو مداخلت کا کوئی حق نہیں رہ گیا ہے، حتی کہ شادی بھی ایک بوجھ بن گئی، جس سے آزادی میں خلل اور مسرتوں کا خون ہوتا ہے،

اس تہذیب نے عورت کو مرد کے مقابل تو کھڑا کر دیا لیکن اس نے جو مقام چھوڑا اس کا کوئی "بدل" نہ فراہم کر سکی جس سے خاندان میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا جو دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے، اور سیکڑوں خرابیوں کا باعث بن رہا ہے،[1]

Marrage and Morals. P.65, 69, 91, By Bertrand Russell and The American way of life. P.649, 654, By H.E Baynes and oran M. Ruedi

مذہب و اخلاق کے غلط تصور نے ایک عرصہ تک عورت کو اس کے فطری حقوق سے محروم رکھا جس کا ردعمل مکمل آزادی و بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوا، جس سے مرد و عورت دونوں پریشان ہیں، لیکن بات اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ اس کو "روک" لگانے میں سب بے بس ہیں، اگر کوئی کچھ ہمت کرتا بھی ہے تو اس پر رجعت پسندی کا الزام لگتا ہے، جو اس دور کا سب سے بڑا جرم ہے۔

تشکیل جدید میں مرد کی قوامیت

تشکیل جدید میں مرد کی "قوامیت" برقرار ہے، اور عورت کو اس کے مقام پر رکھتے ہوئے اس کے دائرۂ کار کا تعین کیا گیا ہے تاکہ اس دائرے میں رہ کر تہذیب و تمدن کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کرتی رہے، اس سلسلہ میں جن باتوں کی طرف توجہ کی گئی ہے، وہ یہ ہیں:-

(۱) صنفی تعلق کی نوعیت (۲) صنفی تعلق کی حفاظت، (۳) عورت کی جدوجہد کے حدود،

اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

صنفی تعلق کی نوعیت

(۱) **صنفی تعلق کی نوعیت**: مرد و عورت کے درمیان اس تعلق میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کی کیفیت پائی جاتی ہے:- قرآن حکیم نے اس کو انسانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا، بلکہ ہر شے کے لئے عام بتایا ہے،

ومن کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون[1]	اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کئے، تاکہ تم غور کرو،

دوسری جگہ ہے،

۱؎ ذاریات - ۲

سبحٰن الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون[1]	پاکی اس ذات کے لئے ہے جس نے زمین کی پیداوار میں، اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں جوڑے پیدا کئے

ایک اور جگہ ہے

جعل لکم من انفسکم ازواجا و من الانعام ازواجا[2]	اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے، اور جانوروں میں بھی جوڑے بنائے

اس کو معاہدۂ نکاح کے ذریعہ مستحکم کیا جاتا ہے

اس کا مقصد خواہشات نفسانی کی وقتی تسکین نہیں، بلکہ اس کو معاہدہ (نکاح) کے ذریعہ مستحکم بنیاد پر ساری زندگی کے لئے قائم کیا جاتا ہے، جس سے ایک دوسرے کی نمو ہو، اور ان کے قیام و بقا میں مدد ملے، قرآن حکیم میں ہے،

فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف محصنٰت غیر مسافحٰت ولا متخذات اخدان[3]	ان عورتوں سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے نکاح کرو، اور قاعدہ کے مطابق ان کا مہر ان کے حوالہ کرو، اس طرح کہ وہ قید نکاح میں رہنے والی ہوں نہ وہ بدکار رہوں، اور نہ خفیہ آشنائی

۱؎ القرآن یٰسین - ع - ۳ - ۲؎ القرآن الشوریٰ - ع - ۲ ۳؎ ایضاً النساء ع - ۴،

دوسری جگہ ہے:

هن لباس لكم وانتم لباس لهن[1]

وہ تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم اُن کے لئے لباس ہو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

الدنيا كلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة[2]

پوری دنیا فائدہ اٹھانے کا سامان ہے، اور بہترین سامان صالحہ بیوی ہے،

ایک جگہ ہے،

من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج[3]

جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے اس کو نکاح کر لینا چاہئے، کہ وہ آنکھ کو (بدنظری سے) بچانے والا اور فرج کی حفاظت کرنے والا ہے

اس سے انس ومحبت ایثار و قربانی کا جذبہ ابھرتا ہے

اس سے انس ومحبت، اور ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ ابھرتا ہے، اور زندگی کی مشقتوں میں سکون حاصل ہوتا ہے،

هو الذي خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها[4]

اللہ ہی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ اس کے ذریعہ سکون حاصل ہو،

[1] بقرہ ع ۲۳ ۔ [2] مشکوٰۃ کتاب النکاح الفصل الاول [3] ایضاً [4] القرآن الاعراف ع ۲۳

دوسری جگہ ہے:

خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة[1]

اللہ نے تمہارے لئے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان دوستی و رحمت رکھدی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لم تر للمتحابين مثل النكاح[2]

نکاح کے مثل دو محبت کرنے والے تم نے نہ دیکھے ہوں گے،

دوسری جگہ ہے،

ما استفاد المومن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة ان امرها اطاعته وان نظر اليها سرته وان اقسم عليها ابرته وان غاب عنها نصحته في نفسها وماله[3]

اللہ سے تقوی کے بعد صالحہ بیوی سے بہتر اور کوئی شے قابل استفادہ مومن کے لئے نہیں ہے، اگر وہ اس کو حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اگر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو، اگر اس پر قسم کھا بیٹھے تو اس کو پورا کرے، اگر وہ موجود نہ ہو تو اپنے نفس اور اس کے مال میں خیرخواہی کرے،

[1] روم ۔ ۳ [2] مشکوٰۃ کتاب النکاح فصل ثالث [3] ایضاً

اس سے خاندانی تنظیم کی بنیاد پڑتی ہے

اس سے خاندانی تنظیم کی بنیاد پڑتی، اور آزادی اور بے راہ روی سے حفاظت رہتی ہے، قرآن حکیم میں ہے،

وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً وصھراً،[1]

اللہ ہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے لئے خاندان اور سسرال بنایا،

دوسری جگہ ہے،

نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم،[2]

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں، اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو کاشت کرو اور اپنے مستقبل کا سروسامان کرو،

عورت کو کھیت سے تشبیہ دینے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ صنفی تعلق کا مقصد محض شہوت رانی نہیں، بلکہ بقاء نسل ہے، اور جس طرح کاشتکار کے ذمہ صرف تخم ریزی نہیں، بلکہ کھیت کی ہر متعلقہ ضرورت کی فراہمی اور ہر طرح کی حفاظت و نگرانی ہے اسی طرح عورت کی ذمہ داری مرد پر ہے،

خاندانی تنظیم کا سربراہ مرد ہوتا ہے

خاندانی تنظیم کا سربراہ فطری طور پر مرد ہوتا ہے، کیونکہ دونوں میں خلقی تفاوت کی وجہ سے مرد میں فعل و جذب اور عورت میں انفعال و انجذاب کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے، نیز مرد پر گھر کی معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے،

[1] القرآن، الفرقان۔ ع ۔ ۵ ۔ [2] القرآن ۔ البقرہ ۔ ع ۔ ۲۸ ،

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم،[1]

مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس لئے کہ اللہ نے ان میں بعض کو بعض پر (خلقی ساخت و ذمہ داری میں) فضیلت دی، اور اس لئے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الرجل راع علی اھلہ وھو مسئول،[2]

مرد اپنے اہل و عیال کی مصلحتوں کا محافظ، اور اس میں وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے،

اس سے عورت کے حقوق میں کوئی فرق نہیں پڑتا،

لیکن اس سے نہ عورت کے حقوق میں فرق پڑتا اور نہ اعمال و کردار کے ثمرات میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہوتی ہے،

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف،[3]

عورتوں کے لئے اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں،

دوسری جگہ ہے،

للرجال نصیب مما اکتسبوا

مرد جیسا عمل کریں گے، ویسا پھل

[1] القرآن ۔ النساء ۔ ع ۔ ۶ ۔ [2] بخاری کتاب النکاح، باب قوا انفسکم واھلیکم نارا [3] البقرہ ۔ ع ۔ ۲۸ ،

وللنساء نصیب مما اکتسبن[1] — ان کو ملے گا، اور عورتیں جیسا عمل کریں گی، اس کا پھل اُن کو ملے گا،

صنفی تعلق کی حفاظت

(۲) صنفی تعلق کی حفاظت

دل کو پاک و خیالات کو صاف رکھنے کا حکم

ازدواجی زندگی میں اس تعلق کو محدود کرکے ہر قسم کی غلط خواہشات وشہوانی ہیجانات سے حتی الامکان دل کو پاک اور خیالات کو صاف رکھنے کا حکم دیا، اس کے لئے اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور کو ابھارا گیا جو عفت وعصمت کے لئے نہایت موثر ذریعہ ہے، قرآن حکیم میں ہے،

ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ[2] — جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو، ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے وہ تم سے اس کا حساب لے گا،

قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللہ[3] — آپ کہہ دیجئے تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، ہر حال میں اللہ اُسے خوب جانتا ہے،

بری نظر ڈالنے سے منع کیا ہے

غیر عورت پر بُری نظر ڈالنے سے منع کیا، جس سے جذبات میں ہیجان ہوتا ہے،

[1] النساء ع ۵ - [2] البقرہ ع ۳۰ - [3] آل عمران ۳۷،

قل للمومنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا فروجہم ذلک ازکیٰ لہم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارہن ویحفظن فروجہن[1] — اے پیغمبر آپ مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو (غیر عورتوں کے دیکھنے سے) باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے جو وہ کرتے ہیں، اللہ اس سے باخبر ہے، اے پیغمبر آپ مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو (غیر مردوں کے دیکھنے سے) باز رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں،

جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں:-

سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری،[2] — میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے حکم دیا کہ اپنی نگاہ پھیر لیا کرو،

حضرت علیؓ نے فرمایا:-

یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان — اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر

[1] النور ۔ ۴ ۔ [2] مسلم ومشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ الفصل الاول،

لک الاولیٰ ولیست لک الآخرۃ[1]

مت ڈالو، پہلی میں کوئی حرج نہیں، لیکن دوسری میں حرج ہے،

زبان اور آواز پر کنٹرول کا حکم

عورتوں کو زبان اور آواز پر کنٹرول کا حکم دیا، کہ اس سے بھی دوسروں کو ترغیب ہوتی ہے،

ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض و قلن قولاً معروفاً[2]

اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو نرم و دلکش لہجہ میں بات نہ کرو، کہ جس شخص کے دل میں بدنیتی کی بیماری ہو وہ تم سے امیدیں وابستہ کریگا اور جب بات کرو تو سادہ طریقہ سے بات کرو،

بے حیائی و بے شرمی کی بات کی ممانعت

بے حیائی و بے شرمی کی بات کرنے سے منع کیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ[3]

بیشک جو لوگ مسلمانوں میں بیحیائی کی اشاعت چاہتے ہیں، اُن کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک سزا ہے،

شوہر کے سامنے دوسری عورتوں کی بات کرنے سے منع کیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

---

[1] الفصل الثانی [2] الاحزاب ع ۴، [3] النور ع ۲،

تنگ اور باریک لباس اور حسن کی نمائش کی ممانعت

حسن کی نمائش سے منع کیا کہ اس سے ہیجانی کیفیات پیدا ہوتی ہیں،

ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ[1]

حسن و زیبائش کی نمائش نہ کرو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں کرتی تھیں،

تنگ اور باریک لباس پہننے سے روکا، کہ اس سے حسن و زیبائش کی نمائش ہوتی ہے،

ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن[2]

اپنے سینوں پر اپنے دوپٹہ کے آنچل مار لیا کریں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی عریانیت کا مظاہرہ اور اُس کے ذریعہ دوسروں کو اپنی طرف مائل کریں اور خود دوسروں کی طرف مائل ہوں، بختی اونٹ کی طرح ناز و انداز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلیں تو وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی، نہ اس کی خوشبو پائیں گی[3]"

خوشبو لگا کر باہر نکلنے کی ممانعت،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ایما امرأۃ استعطرت

جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے

---

[1] الاحزاب ع ۴، [2] النور، ع ۴ [3] مسلم باب النساء الکاسیات العاریات،

فمرت علی قوم لیجدوا من ریحھا فھی زانیۃ[1]

پاس سے گذرے تاکہ وہ محفوظ ہوں، تو وہ (گویا) بداخلاقی کی طرف دعوت دینے والی ہے،

مرد اور عورت کے تنہائی میں ملنے کی ممانعت

عورت اور مرد کے تنہائی میں ملنے کی ممانعت کہ اس سے شیطان کو دراندازی کا موقع ملتا ہے،

لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم[2]

جن عورتوں کے محرم نہ ہوں تنہائی میں ان کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے،

عورت کی جدوجہد کے حدود

(۳) عورت کی جدوجہد کے حدود،

عورت اگر آزاد اور ہر قسم (جائز و ناجائز) کی جدوجہد میں حصہ لینے کی مجاز ہوگی، تو اس کا اثر لازمی طور سے صنفی تعلق اور خانگی نظام پر پڑے گا، اس لئے جدید تشکیل میں جدوجہد میں شرکت کو واقعی ضرورت اور شوہر کی اجازت کے ساتھ محدود کیا گیا ہے،

برٹنڈ رسل (Bertrand Russel) نے مغربی تہذیب میں سماجی خرابیوں کے دو بنیادی سبب بیان کئے ہیں،

(۱) عورت کی آزادی اور (۲) مانع حمل آلات کی ایجاد[3]

لیکن اصل بنیادی سبب سماجی کنٹرول کا خاتمہ ہے، جس نے بہت سے ضمنی اسباب پیدا کر دئے ہیں، سماجی کنٹرول ایک ایسی قوت ہے جو فرد کے خیال و عمل پر حاوی

---

[1] نسائی و ابوداؤد [2] مسلم کتاب الکبائر [3] Marriage and morals. P.65

رہتی ہے، اس قوت کو حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع سے کوشش کی گئی، لیکن کامیابی نہ ہو سکی،

سماجی کنٹرول کا سب سے موثر ذریعہ مذہب ہے

مذہب اس کا موثر ترین ذریعہ ہے جس سے تشکیل میں کام لیا گیا ہے، اس کی شکلیں حسب ذیل ہیں،

۱۔ مذہب کے صحیح استعمال سے اللہ کا خوف اور اس کے سامنے جواب دہی کا تصور ابھرتا ہے، جو انسان کے خیال و عمل پر حاوی رہتا ہے،

۲۔ خیالات، احساسات، اور جذبات پر کنٹرول قائم ہوتا ہے، جس سے ایک طرف ان میں توازن اور دوسری طرف سماج میں، تعاون کی فضا پیدا ہوتی ہے،

۳۔ روح کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا اور اندرونی و بیرونی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے،

۴۔ جنسی اخلاق و سماجی کردار کا معیار مقرر ہوتا، اور انسانی تعلقات پر نگرانی قائم ہوتی ہے،

۵۔ اعلیٰ اصولوں کے ذریعہ سماج کی برائیوں اور بیماریوں پر قابو پایا جاتا، غیر سماجی عناصر کے غلبہ سے حفاظت رہتی ہے،

مذہب کا یہ کردار تاریخ کے ہر دور میں مسلم رہا ہے، جس سے ماہرین سماجیات کو بھی اتفاق ہے[1]، خود برٹنڈ رسل نے اس کا اعتراف کیا ہے،

"نار جہنم اور استقرار حمل کا خوف یہ دو محرکات تھے، جن سے ماضی میں عورت کی عفت و عصمت کی ضمانت تھی، اب مذہبی اثر کے زوال اور مانع حمل آلات کی ایجاد سے دونوں رکاوٹیں ختم ہو گئیں[2]"

---

[1] مصلح الدین، سماجیات، مذہب کے عوامل، [2] Marriage and morals. P.69

عورت کے میدان عمل میں حالات کے لحاظ سے اختلاف ممکن ہے

عورت کس کام میں حصہ لے سکتی، اور کس کام میں نہیں لے سکتی، اس کا تعلق شوہر کی اجازت اور قوم و ملت کی واقعی ضرورت سے ہے، جس میں حالات کے لحاظ سے اختلاف ممکن ہے، البتہ کام کے انتخاب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے

۱- عورت کی حیثیت اور خاندانی نظام میں خلل نہ واقع ہو،

۲- ان کے متعلقہ قوانین پر عمل درآمد برقرار رہے،

ان احتیاطی تدبیروں پر عمل کے ساتھ کسی کام میں حصہ لینے اور باہر نکلنے کے لئے چہرہ ہاتھ اور قدم کی پردہ پوشی ضروری نہیں ہے، قرآن حکیم میں ہے،

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا[۵۰]

اور عورتیں اپنی زینت نہ دکھلائیں مگر وہ جو اس میں سے کھلی چیز ہے،

الا ما ظھر منھا کی تفسیر میں مختلف قول ہیں لیکن درج ذیل روایت کی بنا پر مذکورہ تفسیر کو ترجیح دیجاتی ہے،

حضرت عائشہ کہتی ہیں:

ان اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنھما دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیھا ثیاب رقاق فاعرض عنھا رسول اللہ

ایک مرتبہ ابو بکر کی بیٹی اسماء باریک کپڑے پہنے ہوئے رسول اللہ کے پاس آئیں آپ نے ان سے منہ پھیر کر فرمایا کہ عورت جب بالغ ہو جائے تو ہاتھ اور چہرہ کے

فقال لھا یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منھا الا ھذا واشار الی وجھہ وکفیہ[۵۱]

علاوہ اور کسی حصہ جسم کا کھولنا درست نہیں ہے،

قدم کا معاملہ چہرہ اور ہاتھ کے مقابلہ میں کم اہم ہے، غالباً اسی بنا پر علٰحدہ ذکر کی ضرورت نہ ہوئی، لیکن اگر معاشرہ فاسد ہو اور باہر نکلنے میں عزت و ناموس پر حملہ کا اندیشہ ہو، تو حالات کے لحاظ سے مزید احتیاط اور پابندی کی ضرورت ہے، جس کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت سے ملتا ہے،

یا ایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین[۵۲]

اے نبی آپ اپنی بیویوں بیٹیوں اور مومنہ عورتوں سے کہدیجئے کہ اپنے اوپر چادر کا کچھ حصہ ڈال لیا کریں، یہ اس بات سے زیادہ قریب ہے کہ پہچانی جائیں تو ستائی نہ جائیں،

"ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین" سے حالات کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے، اور بعض روایتوں سے عہد رسالت سے پہلے اور بعد کے معاشرہ میں چہرہ کے حجاب کا رواج معلوم ہوتا ہے جس سے اس کی اولیت ثابت ہوتی ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مزید تحقیق کے لئے المنار (رشید رضا مصری) جلد ۱۰ جزء ۱۱، اور جلد ۱۳ جزء ۹ و ۱۰، ۱۱

---

۵۱ ابو داؤد ۵۲ احزاب - ۸،

نیز حجاب المرأۃ المسلمۃ فی الکتاب والسنۃ (محمد ناصرالدین البانی) مطبوعہ قاہرہ و بیروت کا مطالعہ کرنا چاہیے،

معاشرتی نظام

مغربی تہذیب میں معاشرہ کی مستحکم بنیاد نہ فراہم ہوسکی

معاشرتی زندگی کی بنیاد خاندانی تنظیم ہے، اس کی جو شکل ہوگی، اس کی مناسبت سے معاشرتی نظام قائم ہوگا، مغربی تہذیب میں خاندانی نظام کی تباہی نئے نئے فلسفوں کی ایجاد اور حصولِ دولت کی حرص نے معاشرہ کی مستحکم بنیاد نہ فراہم ہونے دی جس سے زندگی میکانکی بن کر رہ گئی، ہر شخص اپنے کو تنہا اور دوسرے کو اجنبی محسوس کرنے لگا، اور لکھ پتی باپ کی بیٹی بھی معاش کے لئے معمولی ملازمت پر مجبور ہوگئی، اور باپ اس کی کفالت سے سبکدوش ہوگیا،

تشکیل جدید میں معاشرہ خدا کا کنبہ ہے،

تشکیلِ جدید میں معاشرہ کی بنیاد خاندانی تنظیم ہے، اور جس طرح اس چھوٹی اکائی (Unit) میں انس و محبت کے ساتھ حقوق و فرائض کا نظم ہے، اسی طرح بڑی اکائی (معاشرہ) میں بھی ایک نظم ہے جس کا ہر فرد اللہ کے خاندان سے تعلق رکھتا، اور ہر ایک دوسرے کا بھائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہٗ[1] — مخلوق اللہ کا خاندان ہے، اللہ کو زیادہ محبوب وہ ہے جس کا سلوک اسکے خاندان کے ساتھ اچھا ہے

دوسری جگہ ہے،:-

[1] بیہقی فی شعب الایمان و مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق الفصل الثالث،

الناس کلھم اخوۃ[1] ، تمام لوگ بھائی بھائی ہیں،

معاشرتی نظم کو سمجھنے کے لئے تین چیزوں سے واقفیت ضروری ہے، (۱) خاندان کی نوعیت (۲) زندگی کی حیثیت، اور (۳) اس کے فرائض، ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے،

خاندان کی نوعیت

(۱) خاندان کی نوعیت

(ا) اللہ نے سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا،

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی[2] — اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا،

رسول اللہ صلعم نے فرمایا،

الناس بنو آدم و آدم خلق من تراب[3] ، — سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں

(ب) پیدائش کے لحاظ سے تمام انسان پاک اور بے گناہ ہیں،

فطرۃ اللہ التی فطر الناس جمیعا[4] — اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا،

رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے،

کل مولود یولد علی فطرۃ[5] ، — ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،

فطرت سے مراد وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن ہے، جس پر بچہ ماں کے پیٹ میں بنایا جاتا ہے[6]

[1] مسلم ابو داؤد [2] الحجرات ع ۲ - [3] طبری [4] الروم ع ۴ - [5] بخاری و مشکوٰۃ کتاب القدر

[6] Arabic. English lexican. Boo-1-part-6
By Eduard william lane

اس مرحلہ میں ہر انسان پاک اور بے گناہ ہوتا ہے،

(ج) تمام انسان دوسری مخلوقات سے بلند و برتر ہیں،

ولقد کرمنا بنی آدم[1]

ہم نے انسان کو معزز بنایا،

دوسری جگہ ہے،

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم[2]

ہم نے انسان کو بہتر ساخت میں پیدا کیا،

ایک حدیث قدسی میں ہے،

لا اجعل من خلقته بیدی ونفخت فیه من روحی کمن قلت له کن فکان[3]

جس مخلوق (انسان) کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور اس میں اپنی روح پھونکی، اس کو ان مخلوقات کے برابر نہ کروں گا جن کے لیے میں نے لفظ "کن" کہا اور وہ وجود میں آگئے،

(د) تمام انسان اللہ کی آواز (وحی) کے مخاطب رہے ہیں،

لکل قوم هاد[4]

ہر قوم کے پاس ہدایت کرنے والا آیا ہے،

وان من امة الا خلا فیها نذیر[5]

کوئی امت ایسی نہیں ہے کہ جس کے پاس اللہ کی طرف سے ڈرانے والا نہ آیا ہو،

---

[1] بنی اسرائیل ۔ ۷ [2] التین ع ۔ ۱ [3] مشکوۃ باب بدء الخلق [4] الرعد ۱ [5] فاطر ع ۳،

(۷) اللہ نے سب کے لئے یکساں مواقع فراہم کئے ہیں، اس میں کسی کی تخصیص و تفریق نہیں کی ہے،

هوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا، (فاطر - ۳)

جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ نے تم سب کے نفع کے لئے پیدا کیا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لیس لابن آدم حق فی سوی هذه الخصال بیت یسکنه وثوب یواری به عورته وجلف الخبز والماء، (ترمذی)

تین چیزوں کے علاوہ اور کسی میں انسان کا کوئی حق نہیں، (۱) رہنے کے لئے گھر، (۲) تن ڈھکنے کے لئے کپڑا، اور (۳) پانی اور روٹی کا

ہندوستان کی عربی شاعری میں عجمیت پر ایک نظر

از

جناب مولانا عبدالجبار صاحب استاد مفتاح العلوم مئو

معارف مجریہ ستمبر ۱۹۷۱ء میں جناب ڈاکٹر حامد علی صاحب لکچرار عربی ڈپارٹمنٹ مسلم یونیورسٹی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، اس کا عنوان ہے "ہندوستان کی عربی شاعری میں عجمیت" فاضل مضمون نگار نے ہندوستان کی عربی شاعری میں دو قسم کی خامیوں کا ذکر کیا ہے، ایک یہ کہ ان کی شاعری فارسی محاورات سے متاثر ہے، دوسرے ان کے کلام میں کچھ عربی قواعد کی غلطیاں ہیں۔"

پہلی قسم کی خامی پر جو اجمالی اور مختصر حقیقت پر مبنی اظہار خیال محترم مدیر معارف جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی نے کیا ہے، اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مضمون کے اس پہلو پر کوئی بحث کی جائے۔

البتہ دوسری قسم کی خامی یعنی عربی قواعد کی غلطیوں اور عربی کلمات و محاورات کے بے موقع استعمال پر مدیر محترم نے تعرض نہیں کیا، اس سے انکار نہیں کہ اس قسم کی خامیاں ہندوستانی شعراء کے کلام میں ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب ان کے کلام پر اس پہلو سے بحث میں عربی قواعد کی ایسی خلاف ورزیاں بھی بیان کر گئے جن کی کتب لغت و نحو سے

تائید نہیں ہوتی، اور چند خالص عربی محاورات کو جنہیں عرب شعراء نے اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے، یا عربی لغت میں مذکور ہیں، فارسی محاورات میں داخل کر دیا ہے اس پر تبصرہ کرنا مقصود ہے، اب ان کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

یدعوا البرایا مد ظل محمد وعلاہ تعدم مثل ظل محمد

(امیر خسرو)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں اس شعر میں امیر خسرو نے اگرچہ ذو معنی لفظ محمد کا استعمال کر کے فن بدیع کی صنعت دکھائی ہے، مگر "مد ظل محمد" فارسی محاورہ ہے، عربی میں سایہ کی درازی کے لیے ظل بمعنی صار ذا ظل رائج ہے۔ فارسی دانوں نے ہی مد الظل، مد ظلکم، دام الظل، دام ظلکم، دامت اظلالکم وغیرہ کو عربی مرکبات بنا کر استعمال کیا ہے۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الظل کے ساتھ مد یا دام کا استعمال فارسی محاورہ ہے، یا خانہ ساز عربی ہے، شعر میں مد ظل محمد کے بجائے اگر ظل محمد ہوتا تو عربی محاورہ کے مطابق ہوتا حالانکہ یہ دونوں محاورے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ایک آیت میں "کیف مد الظل"[1] اور دوسری میں ظل ممدود[2] ہے، تیسری میں اکلھا دائم وظلھا[3] یہ مثالیں انکے عربی ہونے کی شاہد ہیں۔

حتی علا فوق السماء سریرہ ورؤسھم غابت بہ تحت الثری

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، پہلے مصرعے میں فارسی خیال ہے، اور دوسرے میں رؤس کے ساتھ غابت کا استعمال عربی لغت کے مطابق نہیں ہے، مگر عرب شعراء بھی جب اپنے ممدوح کی رفعت شان اور ان کے رتبہ اور مقام کی برتری بیان کرتے ہیں، تو آسمان سے کم بات نہیں کرتے، اور ممدوح کو یا اس سے نسبت رکھنے والی چیزوں، سما، بدر، نجم، کواکب اور ثریا یا اس سے اوپر تک پہنچا دیتے ہیں، مثال کے طور پر چند اشعار عرب شعراء کے

[1] سورہ فرقان [2] سورہ واقعہ [3] سورہ رعد

ملاحظہ ہوں:

(۱) لنا جبل یحتلہ من نجیرہ — منیف یرد الطرف وھو کلیل

رسا اصلہ تحت الثری وسما بہ — الی النجم فرع لا ینال طویل

(سموال بن عادیا)

ہمارے قبضہ میں ایسا اونچا قلعہ ہے کہ آنکھیں اس کو دیکھنے سے پتھرا جاتی ہیں، اس پر رسائی اس کی ہوگی جو ہمارے زیر پناہ ہو، قلعہ کی بنیاد تحت الثریٰ میں راسخ ہے اور اس کی چوٹی ثریا تک پہنچنے سے دسترس سے باہر ہے۔

(۲) وما سلمت فوقک للثریا — ولا سلمت فوقک للسماء

(متنبی)

(اے ممدوح) تیری بلندی نہ میں ثریا کے لیے مانتا ہوں نہ آسمان کے لیے۔

(۳) فبا یما قدم سعیت الی العلی — ادم الھلال لاخمصیک حذاء

(ایضاً)

کیسا تیرا قدم تھا کہ اتنے اونچے رتبے پر پہنچ گیا، تیرے پاؤں کے لیے چاند کی اودھوڑی جوتا ہونا چاہیے

وقد کان یدنی مجلسی فی سمائہ — احادث فیھا بدرھا والکواکبا

(ایضاً)

(ممدوح) کی مجلس آسمان تھی مجھے اس میں قریب جگہ دیتے تھے میں اس آسمان کے چاند تاروں سے بات کرتا تھا

یہ فیصلہ بھی کہ روٗس کے ساتھ غابت کا استعمال عربی لغت کے مطابق نہیں ہے، صحیح نہیں ہے، اقرب الموارد میں ہے، غاب الشمس وغیرھا من النجوم غیابا وغیوبۃ غربت واستقرت عن العین، وغیوبۃ والشیٔ فی الشیٔ غیابۃ وغیابا بطن فیہ واستتر اگر بالفرض اس سے غابت الروٗس کا استعمال عربی لغت کے مطابق ثابت نہ بھی ہو تب بھی ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد کہ عربی میں ایسے موقع پر باب مفاعلت واری یواری مواراۃ کا استعمال کیا جاتا ہے، قطعاً عربی لغت ومحاورہ کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ غابت لازم ہے جس کا

ترجمہ "غائب ہوگئے" ہوگا اور کیا گیا بھی ہے اور واری یواری مواراۃ باب مفاعلہ سے عربی لغت میں متعدی مستعمل ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءۃ اخی۔ ما وٗری عنھما۔ کسی فعل کا مجہول ہونا اس کے متعدی ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا اگر اس موقع پر غابت کے بجائے وارت باب مفاعلہ استعمال کیا جائے تو اس کا ترجمہ "غائب کر دیا یا چھپا دیا" ہوگا جو اس موقع پر یقیناً صحیح نہیں ہے، صحیح محاورہ توارت باب تفاعل سے ہے، جو لازم ہے، اور اس باب سے قرآن کریم میں بھی لازم آیا ہے، یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ۔ حتی توارت بالحجاب اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنی تحقیق پر اصرار ہے تو کتب لغت یا کلام عرب سے واری یواری باب مفاعلہ کا لازم استعمال پیش فرمائیں۔

ثم اغتنم فرصۃ من قبل ان ضعفت — قواک من سطوۃ الامراض والعلل

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "من قبل ان ضعفت" میں ان مصدریہ کے بعد فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی لایا گیا ہے جو عربی قواعد کی صریح خلاف ورزی ہے، مگر اس کی کوئی سند انھوں نے نہیں پیش کی ہے کہ ان مصدریہ کے بعد فعل ماضی لانا عربی قواعد کے خلاف ہے، عربی قواعد کی مشہور اور مسلم کتاب کافیہ ہے، اس میں حروف مصدریہ تین بتائے گئے ہیں، ما۔ ان۔ ان، ان میں سے کسی کی مثال خود متن کافیہ میں نہیں ہے، البتہ شارح کافیہ ملا جامی نے اس کی مثالیں دی ہیں، اَن کی مثال نحو قولک اعجبنی ان خرجت ای خروجک

مولانا عبدالحق خیرآبادی شرح کافیہ مسمی بہ تسہیل الکافیہ میں فرماتے ہیں وثانیہا ان المصدریۃ نحو اعجبنی ان ضربت زیداً ای ضربک زیداً، اسی طرح عربیت کے امام علامہ زمخشری

نے اِن مصدریہ کی نسبت اپنی کتاب مفصل میں "من اصناف الحروف حروف الاستقبال" کے تحت لکھتے ہیں وان تدخل علی المضارع والماضی فیکونان معہ فی تاویل المصدر، واذا دخل علی المضارع لم یکن الا مستقبلا" اور "من اصناف الحروف الحرفان المصدریان" کے تحت تحریر فرماتے ہیں، نقول بلغنی ان جاء عمرو وارید ان تفعل وانہ اھل ان یفعل ای اھل الفعل۔ وقال اللہ تعالیٰ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مصدریہ کے بعد ماضی اور مضارع دونوں آتا ہے، عربی زبان کی مشہور و مستند اور مبسوط لغت لسان العرب میں بھی اس کی تشریح ہے کہ ان مصدریہ کے بعد فعل مضارع اور فعل ماضی دونوں عربی زبان میں مستعمل ہیں، وہ لکھتے ہیں:۔ وان قد تکون مع الفعل المستقبل فی معنی مصدر فتنصبہ تقول ارید ان تقوم والمعنی ارید قیامک فان دخل علی فعل ماضی کانت معہ بمعنی مصدر، قد وقع ارادۃ انہا لا تعمل تقول اعجبنی ان قمت والمعنی اعجبنی قیامک الذی مضی وان قد تکون مخففۃ من المثقلۃ فلا تعمل۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں" اور تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ یہاں ان نہ مخفف ہو سکتا ہے نہ حرف تفسیر البتہ ان زائدہ قرار دیا جا سکتا ہے، اہل عرب نے حروف زوائد میں ان کو بھی بتایا ہے"۔

بیشک اہل عرب نے حروف زوائد میں اَن کو بھی بتایا ہے، مگر علمائے عربیت نے ان مقامات کو بھی بتایا ہے جہاں اَن زائدہ آتا ہے، جس طرح انھوں نے ان مصدریہ مخففہ اور ان حروف تفسیر کے مقامات کی نشاندہی بوضاحت کی ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے علمائے عربیت کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں فرمایا ہے کہ یہاں

اَن نہ مخفف ہو سکتا ہے اور نہ حرف تفسیر لہٰذا اس کو اَن زائدہ قرار دینے کے لیے بھی ان قواعد کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا، اور معلوم کرنا ہوگا کہ یہ مقام بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں اہل عرب نے ان کو زائدہ قرار دیا ہے، ان مقامات کو معلوم کرنے کے لیے اقرب الموارد کی عبارت نقل کرتا ہوں:۔

الوجہ الرابع ان تکون زائدۃ للتوکید وذلک بعد لمّا التوقیتیۃ وھو الاکثر نحو ولما ان جاءت رسلنا لوطا سیئ بھم۔ وبین لو وفعل القسم مذکورا کقولہ:

فاقسم ان لو التقینا وانتم لکان لکم یوم من الشر مظلم

او متروکا کقولہ اما واللہ ان لو کنت حیا وبین الکاف ومخفوضھا کقولہ کان ظبیۃ تعطو الی وارق السلم وھو نادر وبعد اذ کقولہ فامھلہ حتی اذا ان کانہ۔ جب عربی قواعد کی رو سے اَن زائدہ ہونے کی یہی پانچ صورتیں ہیں اور شعر مذکور میں اَن نہ لمّا کے بعد واقع ہوا ہے نہ قسم اور لو کے درمیان، نہ کاف اور اس کے مجرور کے درمیان نہ اذا کے بعد تو اس کو اَن زائدہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، نیز اگر اَن کو یہاں زائدہ قرار دیا جائے تو قبل مضاف اور مضاف الیہ ضعفت فعل ماضی ہوگا اور کوئی بھی فعل فعل ہوتا ہوا مضاف الیہ نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ اضافت اسم کے خواص سے ہے، ہاں فعل جب کسی حرف مصدری کے ذریعہ خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً بتاویل مصدر اسم قرار دیا جائے گا تو مضاف الیہ واقع ہوگا،

کلام عرب میں جس جگہ کوئی فعل مضاف الیہ واقع ہوا ہے وہ بتاویل مصدر ہے، چنانچہ ملا جامی فرماتے ہیں: "المضاف الیہ کل اسم حقیقۃ او حکما لیشمل الجمل التی یضاف الیھا نحو یوم ینفع الصادقین صدقھم فانھا فی حکم المصادر۔

یعنی مضاف الیہ اسم ہی ہوگا خواہ وہ حقیقت میں اسم ہو یا اسم کے حکم میں ہو، اس تعمیم سے وہ جملے بھی اسم قرار دیے جائیں گے جو مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں، جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم، اس لیے کہ اس طرح کے جملے مصدر کے حکم میں ہیں، پس اگر ان ضعفت میں اَن کو مصدریہ قرار دیا جائے اور اَن ضعفت بتاویل مصدر ہوکر مضاف الیہ ہوجائے تو قواعد عربی کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی، اور اگر اَن کو زائدہ قرار دیا جائے جو ڈاکٹر صاحب کی تجویز ہے ضعفت فعل ماضی کو مضاف الیہ بنانا پڑے گا جو عربی قواعد کی مذکورۂ بالا تصریحات کے بالکل خلاف ہے، یا یہ کہیے کہ ان موجودہ زائدہ ہے، اور ضعفت ان مقدرہ سے بتاویل مصدر ہوکر مضاف الیہ قرار دیا جائے گا، مگر یہ کلام کی کتنی بھونڈی توجیہ ہوگی،

لا تغترر بزمان کان شیمتہ ان غرّ غرّاً بغیر منہ منتقل

اس شعر پر بحیثیت عربی یہ اعتراض ہے کہ دوسرے مصرعہ میں جن الفاظ وتراکیب سے مفہوم ادا کیا گیا ہے وہ محاورۂ عرب کے خلاف ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنے خاص ذوق عربیت کی بنا پر مصرعۂ ثانیہ کے الفاظ وتراکیب کو محاورۂ عرب کے خلاف قرار دیا ہے، کاش وہ الفاظ وتراکیب پر تفصیلی بحث کرکے ان کا محاورۂ عرب کے خلاف ہونا بیان کرتے تو دوسروں کو بھی اس کے سمجھنے اور اس میں غور وفکر کی گنجائش نکلتی، اگر ڈاکٹر صاحب کی یہ مراد ہو کہ یہاں بھی اَن مصدریہ کے بعد فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی لایا گیا ہے تو اس پر بحث گذر چکی ہے کہ اَن مصدریہ کے بعد فعل ماضی لانا عربی قواعد کے خلاف نہیں ہے،

لہ المکارم ابہی من نجوم دجی لہ العزائم امضی من قنا البطل

اس شعر کی عربیت پر کلام کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "عربی میں رمح

اور قناۃ کی صفت ذبول ہے، اور ذابلہ کی جمع ذوابل۔ رماح (نیزوں) کے لیے صفت غالبہ کی طرح مستعمل ہے، اس لیے قنا کی اضافت بطل کی ..... طرف عربی زبان کے خلاف ہے، غالباً بطل کا استعمال ضرورت قافیہ کے تحت کیا گیا،

ڈاکٹر صاحب تو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ قنا کی اضافت بطل کی طرف عربی زبان کے خلاف ہے، اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ عربی میں رمح اور قناۃ کی صفت ذبول آتی ہے، ایسی بے ربط بات ڈاکٹر صاحب جیسے فاضل سے مستبعد معلوم ہوتی ہے، وہ خود ہی غور فرمائیں کہ اگر ذبول عربی میں رمح وقناۃ کی صفت آئی ہے تو یہ عربی زبان میں اضافت قنا الی البطل کے ممنوع ہونے کی دلیل کیسے ہوگی،

کسی مدعا کے اثبات کے لیے ضروری ہے کہ دلیل مدعا کی مثبت ہو، یہاں مدعا میں اضافت قنا کے ابطال کا مسئلہ ہے، اور دلیل میں صفت رمح وقنا کا اثبات ہے۔

مضمون کے لحاظ سے بہادر کا نیزہ کہنے میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی، بلکہ مضاف اور مضاف الیہ میں غایت مناسبت ہے، جیسا کہ مصنف کا قلم کہنے میں،

لولا سہول جمالکم فی ذاتی

ماکنت ارضی ساعۃ بحیاتی

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: "عربی میں "جمال" اور "ذات" کا استعمال ایک ساتھ نہیں ہوتا، یہ کلام محتاج تشریح ہے، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ عربی میں ذات کا جمال نہیں بولا جاتا، تو شاعر نے ذات کا جمال نہیں کہا ہے، بلکہ شعر میں جمال کی اضافت ضمیر مخاطب "کم" کی طرف ہے، ذات اس کا ظرف اور مظہر ومرکز ہے، پھر فرماتے ہیں "نیز ذات کے ساتھ جمال کا استعمال بمعنی خوبصورتی درست نہیں، عربی

میں ایسے موقع پر "حسن" استعمال ہوتا ہے"، مگر انھوں نے اس کی کوئی مثال نہیں پیش کی تاہم اس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک، اگر شعر میں جمالکم کے بجائے حسنکم لایا گیا ہوتا تو عربی محاورہ کے موافق ہوتا، جمال کا استعمال جن مختلف قسم کی خوبصورتیوں پر عربی میں ہوا ہے، اس کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں: (۱) شکل وصورت کی خوبصورتی کے لیے، جیسے حدیث شریف میں ہے

تنکح المرأة لمالها وجمالها — عورت سے شادی اس کی مالداری کی وجہ سے کیجاتی ہے اور خوبصورتی کی وجہ سے۔

(۲) لباس وہیئت کی خوبصورتی، (۳) خاندانی شرف (۴) اخلاق وکردار کی عمدگی۔ عمرو بن معدیکرب کا شعر ہے ؎

لیس الجمال بمیزر ۔۔۔ فاعلم وان ردیت بردا

ان الجمال معادن ۔۔۔ ومناقب اورثن مجدا

لباس کی خوبصورتی جمال نہیں ہے، اگرچہ کتنا ہی عمدہ لباس زیب تن کر لو، یہ بات خوب سمجھ لو۔ تمھارا خاندان اچھا ہو اور تمھارے اندر شریفانہ اخلاق ہوں تو البتہ یہ جمال ہے۔

(۵) صبر کی خوبصورتی، فصبر جمیل: پس مجھے صبر کرنا ہے، اور عمدہ قسم کا، (۶) معشوق کے وعدہ خلافی کی خوشنمائی، متنبی کہتا ہے ؎

تفرد فی الاحکام فی اهله الهوی ۔۔۔ فانت جمیل الخلف مستحسن الکذب

یعنی عشق کا حکم عاشقوں پر دنیا سے نرالا ہے، اسی وجہ سے عاشق کو تمھاری وعدہ خلافی اچھی لگتی ہے، اور جھوٹ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

(۷) دولت کی شان وشوکت، قرآن کریم میں مویشیوں کے منافع بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا

ولکم فیها جمال حین تریحون ۔۔۔ وحین تسرحون

یعنی مویشیوں کو جب شام کو چرا کر واپس لاتے ہو اور جب چرانے لیجاتے ہو تو تمھاری دولتمندی کی شان وشوکت نمایاں ہوتی ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، عربی لغت میں لفظ "ذات" کے معنی "والی اور صاحبہ" کے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ذات الجنب اور ذات الشمال مذکور ہے، بیشک ذات الشمال کا استعمال قرآن مجید میں ہے۔ مگر ذات الجنب باوجود تلاش کے مجھے قرآن مجید میں نہ ملا، رہا یہ مسئلہ کہ لفظ ذات بمعنی حقیقت فارسی ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے حقیقت کے خلاف ہے۔ عربی لغت کی کتابوں میں ذات کے معنی حقیقت بھی بیان کیے گئے ہیں، لسان العرب میں ہے: وقال ابو اسحٰق معنی ذات بینکم حقیقة وصلکم .... قال ابن الانباری فی قوله عز وجل انه علیم بذات الصدور۔ معناه بحقیقة القلوب من المضمرات، قاموس میں ہے: ذو معناه صاحب صیغت لیتوصل بها الی الوصف بالاجناس۔ ج ذوون، وهی ذات وهما ذاتان۔ ج ذوات وذات بینکم حقیقة وصلکم او ذات البین الحال التی بها یجتمع المسلمون۔ السراج المنیر میں جو اقرب الموارد کے ماخذ میں سے ہے، تصریح ہے کہ وقد یجعل اسما مستقلا فیعبر بها عن الاجسام فیقال ذات الشی بمعنی حقیقته وماهیته پھر اس قول کی پر زور تردید کی ہے کہ ذات بمعنی حقیقت عرب کے کلام قدیم میں استعمال نہیں ہوا ہے، اور دلائل کے ساتھ صحیح قول پیش کرنے کے بعد لکھا ہے واذا نقل هذا

فالكلمة عربية ولا التفات الى من انكر كونها من العربية فانها فى القرآن وهو افصح كلام العرب۔ یعنی منقولہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ ذات بمعنی حقیقت عربی کلمہ ہے اور جو اس کے عربی ہونے کا انکار کرے، اس کی بات قابلِ التفات نہیں ہے، کیونکہ اس معنی میں قرآن کریم میں آیا ہے، اور قرآن عرب کا سب سے فصیح کلام ہے،

ندى الك اكثرلا ينتهى ابداً لكن ادناه اندى من ندى آلسيل

ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں اس شعر میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی خامی ہے، لفظی یہ کہ اس میں "ندی السیل" استعمال کیا گیا ہے، جو عرب کا محاورہ نہیں ہے، اور معنوی خامی یہ ہے کہ اس مضمون میں کوئی بلند پروازی نہیں ہے،

لفظی خامی کی نسبت عرض ہے کہ متنبی عرب شاعر ہے اور محاوراتِ عرب پر اسکی وسعت نظر کی وجہ سے اس کے دیوان کو علماے ہند نے مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل کیا اور فن عربیت میں اس دیوان کو خاص اہمیت و مقبولیت حاصل ہوئی، حتی کہ کم و بیش اس کی چالیس شرحیں لکھی گئیں، اسی عرب شاعر کا یہ شعر ہے، مساور بن محمد رومی کی مدح میں کہتا ہے، ؎

نفديك من سيل اذا سئل الندى هول اذا اختلطا دم ومسيح

تم پر ہماری جانیں قربان یعنی تو وہ ہے کہ جب اس سے بخشش طلب کیجائے تو سیلاب ثابت ہوتا ہے، یعنی اس کی بخشش سیلاب کی طرح ہوتی ہے، اور میدانِ جنگ میں جب خون و پسینہ ایک کیا جاتا ہے تو دشمنوں کے لیے ہول و دہشت ہے۔

کیا اس مثال کے بعد بھی یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ندی السیل عربی کے خلاف ہے، مدیر محترم نے سچ فرمایا کہ "انھوں نے ان کے کلام میں جس قسم کی خامیاں دکھائی ہیں ان سے عرب شعرا

کا کلام بھی خالی نہیں ہے،

اب معنوی خامی کا جائزہ لیجیے السیل کا مفہوم عربی زبان میں وہی ہے جس کو اردو میں سیلاب سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی بارش کا رواں پانی بہت زیادہ مقدار میں اکٹھا ہو کر بہتا ہے، جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دریا سیلاب کے زمانے میں اپنے محدود دائرہ سے نکل کر دور دور تک پھیل جاتا ہے، عرب ممالک میں یہ سیلاب زمین کی کاشت اور اس کی پیداوار کی فراوانی کا واحد ذریعہ تھا، چنانچہ اسلام سے پہلے دریائے نیل کی طغیانی کے لیے مصر کی کوئی حسین و جمیل لڑکی آراستہ پیراستہ کر کے بھینٹ چڑھائی جاتی تھی، کیونکہ مصر کی خوشحالی اور اقتصادی فلاح دریائے نیل کی طغیانی پر موقوف تھی، اور یہ حقیقت ہے کہ دریا کے پانی سے مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے دور افتادہ وہاں حاضر ہوگا، جانوروں کو لائے گا، اگر کھیت کی سینچائی کرنی ہے تو بہزار کلفت کھیت تک پانی پہنچانا پڑے گا، دریا کی سخاوت کا تصور یہ ہے کہ حاجتمند اس کے دروازہ پر جائے گا تب تو اس سے مستفید ہوگا، بخلاف سیلاب کے کہ اس میں پانی کی فراوانی کے علاوہ اس کی افادیت و سخاوت کا یہ تصور ہے کہ وہ اپنی بخشش ضرور تمندوں کے دروازوں پر خود لیجاتا ہے، اور ان کے جانور، کھیت اور خود ان کو سیراب کرتا ہے، اور اس راہ میں ان کو خود کوئی کوشش نہیں کرنا پڑتی، سیلاب کے اسی قسم کی فیض رسانی اور سخاوت کی وجہ سے شعرائے عرب اپنے ممدوحین کی سخاوت کو سیلاب سے تشبیہ دیتے ہیں، کہ ممدوح کی بخشش لوگوں کے گھروں پر خود پہنچ جاتی ہے، لوگوں کو اس کے دروازہ پر حاضر ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی، کیا اس انداز فکر سے "اندی من ندی السیل" میں مضمون کی بلند پروازی نہیں ہے۔

اسی مضمون کو متنبی نے اس شعر میں بیان کیا ہے: ؎

فلم یبق خلق لم یردن فناءہ   وھن لہ شرب ورود المشارب

یعنی ممدوح کی بخشش لوگوں کے دروازوں پر خود اس طرح پہنچ جاتی ہے جیسے لوگ پانی کے گھاٹ پر پہنچتے ہیں، حالانکہ بخشش بمنزلہ گھاٹ کے ہے، لہذا پیاسوں کو گھاٹ پر جانا چاہیے، یہاں خود گھاٹ پیاسوں کے پاس آرہا ہے۔

لھا عارض بتریقہ غیر عارض   اسیل صقیل حسنہ کالسجنجل

اس شعر کا بے تکلف ترجمہ یہ ہے کہ محبوبہ کے رخسار کی چمک عارضی نہیں ہے، وہ چکنا چمک دار ہے، اس کی چمک دمک آئینہ کی چمک کی طرح ہے۔"

اس ترجمہ کی رو سے شعر کی ترکیب یہ ہے کہ شعر میں محبوبہ کے عارض کی چار نحوی صفت لائی گئی ہے (۱) بتریقہ غیر عارض (۲) اسیل (۳) صقیل، (۴) حسنہ کالسجنجل، شعر میں عارض کی دو صفت مفرد ہے اور دو صفت جملہ ہے، جملہ سے بھی نکرہ کی صفت نحوی قاعدہ سے درست ہے، جب کہ جملہ میں کوئی ضمیر ہو جو موصوف کی طرف لوٹے اور شعر کے اندر دونوں جملوں میں یہ شرط موجود ہے، لہذا شعر میں عارض موصوف کی جو مسلسل چار صفتیں لائی گئی ہیں، عربی قاعدہ سے اس میں کوئی خامی نہیں ہے، اور جو خامی شعر کی ترکیب میں ڈاکٹر صاحب نے بتائی ہے، غلط فکر کی پیداوار ہے، اگر خامی ہے تو انکی فکر میں نہ کہ شعر میں۔

ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ میں اس شعر پر کلام کیا ہے:

"اس شعر کا پہلا مصرعہ محتاج تشریح ہے، نیز عارض کی صفت مصرعہ دوم میں واقع ہے، اس لیے صفت موصوف کے درمیانی فاصلہ ہو جانے کے باعث تعقید لفظی کا عیب پیدا ہو گیا، پھر صقیل کا فاعل حسنہ ہے، اور اس

ترکیب کے ماتحت یا معنی ہو گئے کہ محبوبہ کے رخسار کی خوبصورتی آئینہ کی طرح پالش کی ہوئی ہے۔"

دیکھیے ڈاکٹر صاحب نے عارض کی صفت اول کو مہمل قرار دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مصرعہ دوم میں اسیل اور عارض کے درمیان فاصلہ کا عیب شعر میں پیدا ہوا، اگر بتریقہ میں عارض کو صفت اول قرار دیتے تو فاصلہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا، اسی طرح انھوں نے حسنہ کو صقیل کا فاعل ٹھہرایا، اسی ترکیب کے باعث شعر کا قابل اعتراض معنی پیدا ہوا جو ڈاکٹر صاحب نے لکھا، اگر حسنہ کو مبتدا اور کالسجنجل کو خبر قرار دیا جائے تو اس صحیح ترکیب سے شعر کا عیب بھی ختم ہو جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شعر کا سارا عیب ڈاکٹر صاحب نے اپنی ترکیب سازی سے پیدا کر دیا، ورنہ صحیح ترکیب کے ماتحت جو اوپر لکھی گئی، شعر میں کوئی عیب ہی نہیں ہے۔

(باقی)

قطب الاقطاب دیوان محمد رشید جونپوری عثمانی

(از مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدرس مرکز علوم مدرسہ قرآنیہ شہر جون پور)

قدرت کا یہ عجیب نظام ہے کہ ایک کی بربادی دوسرے کی آبادی کا سبب ہوتی ہے، ایک جانب ایک شہر اجڑتا ہے تو دوسری طرف دوسرا آباد ہوتا ہے، یہی ہمیشہ ہوتا چلا آرہا ہے اسی قانون فطرت کے تحت جب فتنۂ تیموری کی ہلاکت خیزیوں سے مغرب میں دلی کی علمی، تمدنی اور معاشرتی دنیا میں بادِ خزاں کے تند جھونکے چل رہے تھے تو دوسری جانب دیارِ پورب کے شہر جونپور میں علم و فن اور تمدن و معاشرت کے چمنستان میں بہار آئی ہوئی تھی تاجدار سلطنت شرقیہ ابراہیم شاہ المتوفی ۸۴۴ھ کے حسن انتظام علم دوستی اور علماء نوازی اور فیاضی سے جونپور مرجع ارباب کمال بن گیا تھا یہاں کے مواضعات و قصبات میں علم و فضل کی مسندیں بچھ گئی تھیں اہل علم و دانش دور دراز مقامات سے کھینچ چلے آرہے تھے اور شہر جونپور یاقوت من کل فج عمیق کا مصداق بنا ہوا تھا، ان نوادر و اہل کمال میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی ذات گرامی بھی ہے مولانا صاحب کے جونپور میں آتے ہی اس کے گلستان علم میں بہار نو آگئی، در حقیقت جونپور کی علمی تاریخ کا آغاز قاضی دولت آبادی کی ذات گرامی سے ہوتا ہے، اس میں سلطان الشرق ابراہیم شاہ بھی برابر شریک رہا، سلطنت شرقیہ اگرچہ اسی برس کی قلیل مدت میں ختم ہوگئی لیکن ملک العلماء اور ملک الشرق نے جس گلستانِ علم کی آبیاری کی تھی وہ تقریباً ساڑھے تین سو سال تک پھولتا پھلتا رہا۔ اور سرزمین جونپور سے ایسے ایسے باکمال افراد ابھرے جن کے کارناموں پر ملت اسلامیہ کو آج بھی فخر ہے۔

ان ہی باکمال افراد میں زبدۃ الاخیار، عمدۃ الابرار، استاذ العلماء، ملاذ الفضلاء، فرید العصر، وحید الدہر، صاحب الرشاد و السداد فی مقام الارشاد قدوۃ اہل العلم و التجرید ابو البرکات الشیخ دیوان محمد رشید الجونپوری العثمانی کی ذات گرامی بھی ہے،

گیارہویں صدی ہجری کے علماء میں دیوان صاحب امامت و عبقریت کے مقام پر فائز اور شریعت و طریقت کے مسلّم مقتدا تھے، آپکے اساتذہ و معاصرین آپ کی جودت طبع، ذہانت، فطانت اور علمی و فنی مہارت کے معترف تھے آپ کے معاصر اور استاذ بھائی شیخ رکن الدین بحر آبادی تلمیذ خاص شیخ مفتی شمس الدین بردنوی المتوفی ۱۰۴۰ھ کو جب کوئی علمی شبہہ وارد ہوتا تو اپنے تبحر علمی کے باوجود دیوان صاحب کی طرف مراجعت فرماتے اور تشفی بخش جواب سے مطمئن ہوتے،[۱]

استاذ الملک شیخ محمد افضل بن حمزہ عثمانی جونپوری المتوفی ۱۰۶۲ھ جو آپ کے استاذ ہیں ایام طالب علمی ہی سے آپ کی قابلیت و فطانت کے قائل تھے، ایک مرتبہ مختصر المعانی کے درس کے وقت ایک صاحب نے عرض کیا کہ "کان یکون" کے معنی بھی سمجھتے ہیں یا یوں ہی پڑھ رہے ہیں، استاذ الملک نے برجستہ فرمایا کہ آپ "کان یکون" کے معنی کے متعلق فرماتے ہیں یہ تو "مسیکون" کے معنی بھی بیان کرتے ہیں،[۲] اسی اعتماد و وثوق کی بنا پر تحصیل و تکمیل سے فراغت کے بعد ایک مرتبہ آپ استاذ الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت استاذ شریفیہ کا جو فن مناظرہ میں اہم متن ہے کسی طالب علم کو درس دے رہے تھے دیوان صاحب کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ

متن خوب است اگر کسے شرح ایں نویسد بہتر است،[۳]	یہ ایک بہترین متن ہے اگر کوئی اسکی شرح لکھ دیتا تو اچھا ہوتا،

---

۱ گنج ارشدی ورق ۴۴، ۲ ایضاً ۱۴، ۳ ایضاً ۱۴

دیوان صاحب استاذ الملک کے اشارہ کو سمجھ گئے اور ایک ہفتہ کے بعد جب پھر حاضر خدمت ہوئے تو رشیدیہ شرح شریفیہ تالیف فرما کر استاذ عالی مقام کی خدمت میں پیش کر دی استاذ الملک نے بیحد پسند فرمایا اور بہت تحسین فرمائی، رشیدیہ جیسی اہم تصنیف اور ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں دیوان صاحب کی خداداد ذہانت و قابلیت ہی کا کرشمہ ہے ورنہ ایک ہفتہ میں اس کے مضامین کو حل اور اخذ کرنا بھی غیر معمولی بات ہے، چہ جائیکہ تصنیف کرنا، حاشیہ چلپی کی قرأت کے زمانہ میں دیوان صاحب کا یہ اعلان عام تھا کہ چلپی کے اقوال کو میں رد کر سکتا ہوں جس کا جی چاہے پیش کر کے دیکھ لے چنانچہ کبھی کبھی ملا محمود جونپوری المتوفی ۱۰۶۲ھ یا کوئی دوسرا رفیق درس چلپی کے قول کو پیش کرتا اور دیوان صاحب اس کی ایسی مدلل تردید فرماتے کہ استاذ الملک بھی داد تحسین دئے بغیر نہ رہتے،[1]

زمانہ طالب علمی ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ملا موہن الہ آبادی جو ایک متبحر عالم اور جید مناظر تھے استاذ الملک کی ملاقات کی غرض سے تشریف لائے۔ استاذ الملک اس وقت دیوان صاحب کو درس دے رہے تھے، ملا موہن کی خاطر سے درس موقوف کر دینا چاہا، ملا موہن نے کہا کہ سبق جاری رکھا جائے تاکہ ان کی استعداد کا پتہ چلے، چنانچہ درس جاری رہا، دیوان صاحب قرأت کر رہے تھے ملا موہن نے ایک اعتراض کیا، دیوان صاحب نے جواب دیا اور مباحثہ شروع ہو گیا، قریب تھا کہ ملا موہن لاجواب ہو کر خاموش ہو جاتے، یہ صورت دیکھ کر استاذ الملک نے تیز نگاہوں سے دیوان صاحب کی جانب دیکھا، آپ استاذ کا منشا سمجھ کر خاموش ہو گئے،[2]

یوں تو دیوان صاحب جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن فقہ، اصول اور تصوف میں خاص امتیاز حاصل تھا،[3] اسلئے استاذ الملک مقدمات، اصول و فقہ دیوان صاحب

---

[1] گنج ارشدی ورق ۱۳، [2] ایضاً ۱۴، [3] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۷،

سے پوچھتے تھے اور مبادیات حکمت و فلسفہ ملا محمود جونپوری سے،[1]

۱۔ دیوان صاحب کے تذکرہ کے ماخذ و مراجع گنج رشیدی قلمی میں دیوان صاحب اور ان کے خاندان کے بیشتر اصحاب کا تذکرہ ہے یہ کتاب دیوان صاحب کا بسیط ملفوظ ہے جس کو آپ کے تلمیذ خاص اور خلیفہ اجل شیخ محمد نصرت جمال عرف شاہ ملتانی نے جمع کیا ہے، اس میں ۱۰۶۷ھ سے ۱۰۸۲ھ تک کے ملفوظات درج ہیں، یہ دیوان صاحب کے حالات کا سب سے قدیم اور مستند ماخذ ہے،

۲۔ گنج ارشدی قلمی: یہ شیخ محمد ارشد بن شیخ محمد رشید دیوان کا ملفوظ ہے، جس کو شیخ ارشد کے خلیفہ شیخ شکر اللہ نے جمع اور شیخ غلام محمد رشید بن شیخ محب الدین بن شیخ ارشد نے مرتب کیا ہے، یہ کتاب اپنے حسن ترتیب و تفصیل کے اعتبار سے خاندان رشیدیہ کے حالات میں سب سے مفصل اور جامعیت و افادیت کے لحاظ سے اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے،

(۳) مناقب العارفین مولفہ شیخ محمد یٰسین جانشین شیخ محمد طیب بنارسی، بزرگان چشتیہ کے ذیل میں مولف نے دیوان صاحب کا مفصل و مکمل تذکرہ لکھا ہے، اس کتاب پر خود دیوان صاحب کا لکھا ہوا حاشیہ بھی ہے، چونکہ یہ کتاب آپ کی حیات ہی میں مرتب ہوئی ہے، اس لئے یہ بھی قابل اعتماد ہے، یہ تینوں مذکورۃ الصدر کتابیں خانقاہ رشیدیہ جونپور میں موجود ہیں،

(۴) بحر ذخار کے نہر دوم کے شعبہ دوم میں بزرگان رشیدیہ کا مکمل تذکرہ ہے، اولیائے کرام کے حالات میں بڑی مشہور کتاب ہے، مگر اپنی ضخامت و طوالت کی وجہ سے آج تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی، اس کا ایک قلمی نسخہ مولانا فصیح الدین جونپوری استاد مسلم اثر کالج جونپور کے پاس موجود ہے،

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۷، گنج ارشدی ورق ۱۱۴

(۵) تجلی نور۔ مؤلفہ ابوالبشارت نورالدین زیدی ظفرآبادی ص ۲۷، ۱۰۷ میں دیوان صاحب کا تذکرہ ہے،

(۶) نزہتہ الخواطر جلد پنجم ص ۳۶۷، میں بھی دیوان صاحب کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے، ان کتابوں کے علاوہ (۷) سمات الاخیار، سبحۃ المرجان[8]، تذکرہ علمائے ہند[9]، حدائق حنفیہ[10]، تحفۃ الابرار[11]، تاریخ شیراز ہند وغیرہ میں بھی دیوان کا ذکر ہے، مگر ان میں کوئی نئی اور مزید باتیں نہیں ہیں، سب نے مذکورہ بالا چار کتابوں کی باتوں کو دہرایا ہے، البتہ سمات الاخیار میں دیوان صاحب کی اولاد اور تین خلفار کا مفصل ذکر ہے، اس مضمون کی ترتیب کے سلسلے میں ان سب کتابوں سے مدد لی گئی ہے، مگر اصل ماخذ کی حیثیت گنج ارشدی و گنج رشیدی ہی رکھتی ہیں،

دیوان صاحب کے بارے میں اہل باطن کے خیالات جس دن استاذ الملک شیخ محمد افضل جونپوری کی وفات ہوئی اسی دن لاہور میں ملا خواجہ نے جو سلسلۂ قادریہ کے مشائخ میں ہیں، فرمایا کہ

امروز قطب جونپور وفات یافتہ و بعدے	آج قطب جونپور کی وفات ہو گئی اور
چند شیخ محمد رشید نامی خواہد گشت[1]	چند دن کے بعد اس مقام پر محمد رشید
	نامی فائز ہوں گے،

۲۔ شیخ عبدالعزیز جونپوری دہلوی خلیفہ قاضی خان ظفرآبادی نے اپنی آخری عمر میں فرمایا کہ

بعد ما مردے فقیر پیدا خواہد کہ	میرے بعد ایک مرد فقیر پیدا ہوگا

---

[1] گنج ارشدی ورق ۱۳۳،

نام وے محمد رشید خواہد بود۔ (گنج ارشدی ورق ۱۴۳) جسکا نام محمد رشید ہوگا۔

شیخ عبدالعزیز بڑے باکمال وصاحب حال وقال بزرگ تھے ۹۷۵ھ میں آیت پاک سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون کے سماع پر واصل بحق ہوگئے، دیوان صاحب کے ایام طفولیت میں ایک تقریب کے سلسلہ میں شیخ عبدالجلیل لکھنوی بردہ تشریف لائے حصول برکت کے لئے آپ کو شیخ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، شیخ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا،

عارف کامل و عامل خواہد بود دیگر	عالم باعمل وعارف اجل ہونگے اور
بسیار تناول نمود۔ (ایضاً ورق ۱۴)	گنا بہت ہی پسند کریں گے۔

ان پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ دیوان صاحب کا مقام علم وولایت کس درجہ تھا،

پیدائش اور نشو ونما آپ دس ذیقعدہ ۱۰۰۱ھ موضع بردہ میں پیدا ہوئے، موضع بردہ شہر جونپور سے تقریباً چھ میل کی مسافت پر مشرق میں واقع ہے اور اس وقت حدود اعظم گڈھ میں ہے،

دیوان صاحب نے چار بادشاہوں کا زمانہ پایا، جلال الدین اکبر ۱۰۰۱ھ میں کے عہد میں پیدا ہوئے جب آپ کی عمر چودھویں سال کو پہنچی تو جہانگیر مسند آرائے سلطنت ہوا آپ کے سینتیسویں سال میں شاہجہان تخت نشین ہوا اور جب آپ چھیاسٹھ سال کے ہوئے تو اورنگزیب عالمگیر سریر آرائے حکومت ہوئے، آپ کے والد شیخ مصطفیٰ جمال نے آپ کی طفولیت ہی کے زمانہ میں، اپنے مرشد کے ایماء پر بردہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی اس لئے آپ کی نشو ونما اپنے حقیقی ماموں شیخ شمس الدین ابن نورالدین بردوی کے زیر نگرانی ہوئی،

شیخ شمس الدین بڑے عابد وزاہد اور خوش اوقات بزرگ تھے اور ساتھ ہی زیور علم سے بھی آراستہ تھے اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں گنے جاتے تھے اوائل عمر میں ملازمت شاہی سے منسلک تھے آخر میں ترک فرماکر عزلت گزیں ہوگئے تھے ۱۰۸۳ھ میں وفات پائی آپ کا مزار محلہ مفتی شہر

جونپور میں ہے، رکن الدین بحر آبادی آپ کے شاگرد رشید تھے،[1]

نام ونسب اور آبائی وطن محمد رشید نام، شمس الحق، فیاض اور دیوان لقب ہے، ابو البرکات کنیت ہے، شمسی تخلص، آپ کی بعض تحریروں سے اسم گرامی عبد الرشید بھی ظاہر ہوتا ہے مگر محمد رشید ہی آپ کو پسند ومحبوب تھا، آپ کے کمالات ظاہری وباطنی کو دیکھ کر مشایخ واہل اللہ قطب الاقطاب کہا کرتے تھے،

سلسلۂ نسب باختلاف روایت اٹھارہویں یا بیسویں پشت میں شیخ سری بن مفلس سقطی عثمانی سے مل جاتا ہے[2] آپ کی بارہویں پشت میں ایک بزرگ شیخ بختی نامی ہیں انہی کے اجداد میں سے کسی نے عرب سے ہجرت کرکے کلدہ میں سکونت اختیار کرلی تھی کلدہ ملک روم کا ایک مشہور مقام ہے اسی نسبت سے شیخ بختی کو شیخ رومی کہا جاتا ہے، شیخ بختی نے مرشد کامل کی تلاش میں ہندوستان کی طرف رخت سفر باندھا اس وقت دلی میں سلطان المشایخ شیخ نظام الدین دہلوی کے فیوض وبرکات کا دریا بہہ رہا تھا اس لئے شیخ رومی دہلی پہونچکر سلطان المشایخ کے دامن سے وابستہ ہوگئے اور مدت دراز تک شیخ کی صحبت میں رہ کر کسب فیض کرتے رہے، اس سے فراغت کے بعد شیخ کے اشارے سے موضع سکلائی پرگنہ امیٹھی ضلع بارہ بنکی میں خلق خدا کی اصلاح وتربیت کی غرض سے مستقل سکونت اختیار کرلی، شیخ رومی کو سلطان المشایخ کے علاوہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، شیخ رومی نے سکلائی ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے شیخ رومی کے بعد ان کی اولاد سکلائی میں مقیم رہی اور آجتک آپکی نسل وہاں پائی جاتی ہے،[3]

---

[1] سماۃ الاخیار [2] گنج ارشدی ص ۲۰ و گنج رشیدی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سری تک کل اٹھارہ پشتیں ہیں لیکن گنج ارشدی اور دوسرے تذکروں سے دو نام اور درمیان میں معلوم ہوتے ہیں، [3] سماۃ الاخیار، ص ۱۰

دیوان صاحب کے والد بزرگوار شیخ مصطفےٰ جمال بھی موضع سکلائی ہی میں متولد ہوئے، اور وہیں نشو ونما پائی بڑے ہونے کے بعد انھیں طلب علم کا شوق پیدا ہوا اور وہ حصول علم کے لئے سکلائی سے جونپور آئے اپنی زاد بوم کو خیر باد کہکر جونپور میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور یہاں کے اساتذہ ومشایخ سے علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل فرمائی، شیخ نور الدین بن عبد القادر بروفوی کی صاحبزادی سے نکاح کیا جو آیندہ کے لئے سکلائی کے بجائے بروضلع جونپور کی وطنیت کا سبب بنا[1] انہیں آپکے تینوں صاحبزادے شیخ محمد سعید، شیخ محمد رشید (صاحب الترجمہ) اور شیخ محمد ولید پیدا ہوئے، شیخ مصطفےٰ جمال کا ابتدائی ایام ہی سے تدین وتقوی اور اصلاح باطن کی طرف میلان تھا چنانچہ سکلائی کے قیام کے زمانہ ہی میں شیخ محمد بن نظام الدین عثمانی امیٹھوی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے تھے اور وقتاً فوقتاً شیخ کی صحبت میں جاکر اکتساب فیض کرتے رہتے تھے۔

جونپور آنے کے بعد شیخ قیام الدین بن قطب الدین جونپوری کی جانب رجوع کیا اور انھیں سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی، شیخ مصطفےٰ، عین کمال ورع کا زہد وتقوی توکل وورع تھا مشتبہ چیزوں سے انتہائی پرہیز کرتے تھے، اپنے شیخ کے ایمار پر اہل وعیال کو برو چھوڑ کر بنڈرہ ضلع پورنیہ میں اقامت فرمائی تھی اور وہیں ۱۰ ذی الحجہ ۱۰۶۲ھ میں وفات پائی اور پورنیہ محلہ جمنی بازار میں مدفون ہوئے۔

دیوان صاحب نے اپنے ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

چوں یار بہ بنگالہ کند مسکن وماوی شمسی بہ بدخشاں نرود لعل بہ بنگالست

درس وتدریس دیوان صاحب کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے، جہاں کوئی صاحب کمال

---

[1] نزہۃ الخواطر کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مصطفےٰ جونپوری کی سکونت کے زمانہ میں سکلائی بھی جاتے رہتے تھے لیکن گنج رشیدی وارشدی اس تفصیل سے خاموش ہیں،

بلا اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کر دیا اور اس کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا، ذیل میں ان اساتذہ کی اجمالی فہرست پیش کی جا رہی ہے جن سے دیوان صاحب نے بلا واسطہ استفادہ فرمایا ہے جس سے اقلیم علم و فن کے تاجدار اور آسمان علم کے آفتاب عالمتاب کے علمی اشتغف کا صحیح اندازہ ہو سکے گا،

(۱) الشیخ محمد اخوند البرد نوی (۲) الشیخ کبیر نور البردنوی (۳) الشیخ محی الدین السدھوروی (۴) الشیخ مخدوم عالم السدھوروی (۵) الشیخ محمد قاسم (۶) الشیخ مبارک مرتضیٰ (۷) الشیخ نور محمد المداری (۸) الشیخ محی الدین عبد الشکور (۹) الشیخ عبد الغفور بن عبد الشکور (۱۰) الشیخ حبیب اسحاق (۱۱) الشیخ محمد الاہوری (۱۲) الشیخ میر سید عبد العزیز (۱۳) الشیخ میر سید عبد اللہ بہادر عبد العزیز (۱۴) الشیخ المفتی شمس الدین البردنوی (۱۵) استاذ الملک الشیخ محمد افضل بن حمزہ الجونپوری العثمانی (۱۶) الشیخ المحدث الشاہ نور الحق بن الشاہ عبد الحق المحدث الدہلوی،[۱]

جس لائق، ذکی، فطین شاگرد کی علمی تربیت میں مذکورۂ بالا باکمال اور اپنے عہد کے ماہر فنون اساتذہ کے دامن میں ہوئی ہو اس سے اس کے کمالات علم و فضل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

ان اساتذۂ عظام میں دیوان صاحب کے علمی جوہر کے نکھارنے میں سب سے زیادہ ہاتھ آپ کے حقیقی ماموں علامۂ عصر مفتی شیخ شمس الدین بردنوی اور فرید عصر وحید دہر استاذ الملک شیخ محمد افضل جونپوری کا ہے، دیوان صاحب نے ان دونوں سے علمی استفادہ زیادہ کیا ہے، اور اکثر کتابیں ان ہی سے پڑھیں،

علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد بھی شوق طلب کو سیری نہ ہوئی اور عہد شباب گذر جانے کے بعد پیرانہ سالی یعنی ساٹھ سال کی عمر میں کمر باندھی اور قدوۃ المحدثین شاہ عبد الحق محدث

---

[۱] ترجمۃ الخواطر ۵ و سمات الاخیار ص ۵ و گنج ارشدی،

دہلوی کے فرزند و شاگرد شیخ نور الحق دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشکوٰۃ اور بخاری کو شیخ سے پڑھکر اجازت حاصل کی، شیخ نور الحق نے فراغت کے بعد جو سند اجازت عطا کی ہے اس کے لفظ لفظ سے دیوان صاحب کی علمی جلالت نمایاں ہوتی ہے قارئین کی دلچسپی کیلئے اس کو نقل کیا جاتا ہے،

نقل سند اجازت :۔ ان الشیخ الاجل الاوحد الافضل جامع الکمالات الالوہیۃ المتوجہ الی اللہ خلیفۃ قدوۃ المتورعین الشیخ طیب بن معین طلب منی الاجازۃ بسنن اہل الحدیث وحفظا لسند السلسلۃ الشریفۃ مع انی لست باہلہا وکان الاعتذار احری والیق من الاجازۃ ولکن لما کان امتثال مرہ احب الی وکان اجری ہذا الطریق کما اوصی بہ الشیوخ احیت مسئولہ واجزت رفعہ اللہ ست :

اس کے نیچے یہ عبارت دیوان صاحب نے اپنے قلم سے تحریر فرمائی ہے،

وانا العبد الاحقر المفتقر الی اللہ الوحید المدعو بین الناس محمد رشید بن مصطفیٰ الجونپوری موطنا والعثمانی نسبا والچشتی ارادۃ والقادری والقلندری والشطاری مشربا المرجو من الشیخ الاوحد ان لا ینسانی من صالح دعائہ لعل اللہ یرزقنی صلاحا وکان ذالک فی ذی قعدہ سنۃ ستین والف من الہجرۃ النبویۃ۔[۱]

دیوان صاحب کی اس تحریر سے صاحب سمات الاخیار کے اس قول کی پوری تردید ہو جاتی ہے کہ دیوان صاحب جب دہلی پہنچے تو شیخ عبد الحق محدث دہلوی ضعف پیری کی وجہ سے درس دینا بند کر چکے تھے لیکن دیوان صاحب کی درخواست پر یہ منظور فرما لیا تھا کہ درس تو نور الحق دیں گے لیکن میں بھی درس میں موجود رہا کرونگا، کیونکہ دیوان صاحب نے ۱۰۶۰ھ میں اجازت حاصل کی ہے اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی وفات خود صاحب سمات الاخیار کی تصریح کے

---

[۱] گنج ارشدی ۱۳۴،

مطابق ۱۵-۱۰ ۱۶ھ میں ہو گئی پھر محدث دہلوی کا درس میں حاضر رہنا چہ معنی دارد،

تحصیل و تکمیل کے بعد دیوان صاحب مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے اور تشنگان علوم کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کرنا شروع کر دیا، بیشمار بندگان خدا آپ کے علمی فیوض سے مستفید ہوئے، طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے اور انکی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہونے دیتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ جس پتھر پر طلبہ جوتیاں اتارتے تھے اس کو میری قبر میں تختہ کے طور پر رکھدیا جائے۔[۵۷]

آپ کے درس و تدریس کو علماء و مشائخ بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شغل کو باقی رکھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے، شیخ طیب بنارسی اپنے ایک مکتوب میں آپ کو خطاب فرماتے ہیں کہ،

ہموارہ بدرس و تدریس بودہ بہ رضائے رحمت چشم دارند کہ حق تعالیٰ را در روز شبی ہزار شبی ہزار نعمت است کہ بر خلق نازل می شود تسجایة و تسع تسعون للعلماء و المتعلمین و واحدۃ لجمیع الخلق ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، انتہی[۵۸]

ایک دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں،

بندہ می خواہد کہ از برائے شما فرمان بوساطت نواب از بادشاہ طلب نماید کہ شما در بنارس استقامت نمودہ درس و تدریس فرمائید کہ در یں کان کفر رواج اسلام نمود۔[۵۹]

---

۵۷ گنج ارشدی ج، ص ۱۳۴، و سمات الاخیار ص ۳۵،

۵۸ گنج ارشدی ج، ص ۱۲۸، ۵۹ ایضاً ص ۱۲۸،

دیوان صاحب کو طلبہ یا مریدین سے خدمت لینا پسند نہ کرتے تھے اور ارادتمندوں کی خواہش کے باوجود اسکا موقع نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے تلمیذ خاص اور مرید جان نثار میاں شیخ اسماعیل پھولپوری نے شکایت آمیز لہجے میں کہا دیوان جیو تو کسی قسم کی خدمت کا موقع ہی نہیں دیتے کہ ہمارے لئے ذریعۂ سعادت ہو، حضرت دیوان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاذ شیخ محمد افضل بھی خدمت لینا پسند نہیں کرتے تھے، اپنا سارا کام خود ہی انجام دیا کرتے تھے اسی لئے مجھے بھی یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ضروریات خود ہی پوری کر لیا کروں، پھر فرمایا،

تا کار بدست خود تواں میکر دو دگیرے	جبتک اپنے ہاتھ سے کام ہوتا رہے
گفتن خوب نیست در صحبت یار شاطر	دوسروں سے لینا بہتر نہیں دوستوں
باید نہ بار خاطر۔[۶۰]	کی صحبت میں چاق و چوبند رہنا چاہیے
	نہ کہ بوجھ بنا رہے،

دیوان صاحب کو طلبہ کا تعلیمی نقصان گوارا نہیں تھا ان کو مطالعہ و رہمہ وقت درس کیلئے مستعد رہنے کی تاکید کرتے رہتے تھے اور اپنے آپ کو بھی اس کے لئے فارغ رکھتے تھے لیکن آخری وقت میں جب عبادت اور ریاضت اور سیر الی اللہ میں انہماک بڑھ گیا اور اکثر جذب اور استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی اور درس میں ناغہ ہونے لگا تو تلامذہ کو اپنے تلمیذ رشید و خلیفہ اجل شیخ نور الدین مداری کے حوالہ کر دیا، اور اس وقت سے تدریس کا کام موقوف ہو گیا،[۶۱]

دیوان صاحب کے اکثر شاگرد علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی دیوان صاحب ہی سے استفادہ کرتے تھے، اور ان میں اکثر خلعت خلافت سے بھی مشرف ہوئے،

---

۶۰ گنج ارشدی، ص ۱۲۸، ج ۱۔ ۶۱ گنج ارشدی و نزہۃ الخواطر و مقصود الطالبین،

عرفان وسلوک دیوان صاحب جس طرح علوم ظاہری میں شہرۂ آفاق تھے، اسی طرح علوم باطنی میں بھی طاق تھے، نو برس کی عمر میں جو کھیلنے کھانے کا زمانہ ہوتا ہے کسی مرشد سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کرنا تو درکنار اس کا تصور آنا بھی غیر معمولی بات ہے،

دیوان صاحب اسی زمانہ میں اپنے والد شیخ مصطفیٰ جمال سے بیعت ہوگئے تھے، اور خرقۂ خلافت سے بھی مشرف ہوئے، صاحب مناقب العارفین رقمطراز ہیں،

"در مدتِ طفلی کلاہ ارادت بلکہ خرقۂ اجازت وخلافت از دست والد شریف خود کہ مرشد دہر و شیخ عصر بودند، پوشند، واز آن لباس در دکارہا کردہ" (انتہی)[1]

لیکن کم سنی اور تعلیم وتحصیل کی مشغولیت سے طریقۂ صوفیہ کے اخذ وکسب کی جانب پوری توجہ نہ ہوسکی تھی، تکمیلِ علوم وفنون کے بعد شیخ کامل و مرشد صادق کی تلاش وجستجو ہوئی، اتفاقاً اسی زمانہ میں شیخ طیب بنارسی جونپور تشریف لائے ہوئے تھے، خبر پاتے ہی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر اس ملاقات میں قلب شیخ کی جانب مائل نہ ہوا، کچھ دنوں کے بعد ایک تقریب کے سلسلے میں شیخ طیب کی قیام گاہ منڈواڈیہہ ضلع بنارس جانا ہوا، اور چند دن کی صحبت بھی اٹھائی، اس صحبت نے اپنا اثر دکھایا، اور قلب میں شیخ طیب کی کی عقیدت ومحبت کا طوفان موجزن ہوگیا، چنانچہ سارے علائقِ دنیوی حتی کہ درس وتدریس کے شغل کو ترک کرکے مستقل قیام کے ارادہ سے شیخ طیب کی خدمت میں حاضر ہوگئے مگر شیخ نے تدریس کے التوا کو پسند نہیں فرمایا، اور یہ کہکر جونپور واپس کردیا کہ

"بجائے وظیفہ صبح درس طلبہ دانند این ہم عبادت است"[2]

۱؎ مناقب العارفین ص ۱۲۵، ۲؎ گنج ارشدی و: ۱۲۶، ج اول، ایضاً ج ۱ و: ص ۱۲۷

منڈواڈیہہ سے واپسی کے بعد حسب ارشاد مرشد پھر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور وقتاً فوقتاً شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، دو ایک دن کے بعد واپس آجاتے، رمضان میں چونکہ درس موقوف ہوجاتا تھا اس لئے پورا رمضان شیخ کی خدمت میں گذارنے کا ارادہ کیا شیخ نے اخیر عشرے کے اعتکاف کا حکم دیا، آپ نے اعتکاف کیا، عید کے دن ۱۰۴۰ھ میں شیخ طیب نے مجمع عام میں سلسلہ چشتیہ کے خرقۂ خلافت سے نوازا، اور اس سلسلے کے اوراد و اذکار کی تلقین فرماکر جونپور رخصت کیا۔

حصول ملازمت کے بعد دیوان صاحب نے مجاہدہ اور ریاضت میں اور اضافہ کردیا اور چند ہی دنوں میں اتنی صلاحیت بہم فرمائی کہ طیب شاہ نے سلاسل قادریہ اور سہروردیہ کی اجازت وخلافت بھی عطا فرماکر اپنا خلیفۂ مطلق بنا دیا۔[1]

اس کے بعد دیوان صاحب نے سلسلہ سہروردیہ میں شیخ تاج الدین سے بھی اجازت وخلافت حاصل کی، شیخ یٰسین جانشین طیب شاہ بنارسی لکھتے ہیں،

قطب الاقطاب در سلسلۂ سہروردیہ بلا واسطہ از قطب المتورعین حضرت شیخ تاج الحق والشرع والدین جھوسی مجاز است۔[2]

سلسلہ قادریہ میں طیب شاہ کے علاوہ شیخ شمس الدین کالپی سے خلافت حاصل ہوئی، حصول خلافت کے واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہے، اس واقعہ سے دیوان صاحب کی عظمت و جلالت وشوکت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے، شیخ شمس الدین بھی ایک مرتبہ جونپور آئے تو دیوان صاحب کی خانقاہ میں تشریف لائے، دیوان صاحب اسوقت درس میں مصروف تھے، جب درس سے فارغ ہوئے تو شیخ شمس الدین نے اپنے پاس بلاکر فرمایا۔

۱؎ گنج ارشدی و: ۱۲۶، ۲؎ مناقب العارفین

خدا تعالیٰ حوالہ نمودن نعمت مراد پیش شما فرستادہ خدا منت دادہ است

بگیرید آنچہ داشتہ انتہی[1]

ان سلاسل میں حصول خلافت کے بعد ہی آپ نے قناعت نہیں کی اور اشغال قلندریہ میں استفادہ کی غرض سے شیخ عبدالقدوس جونپوری نبیرۂ شیخ قطب بینائے دل کی خدمت میں حاضری دینے لگے مگر پورے ایک سال تک نہ شیخ نے آنے کی غرض دریافت کی اور نہ آپ نے از خود بتانا مناسب سمجھا ایک سال گذرنے کے بعد ایک دن شیخ عبدالقدوس نے خود ہی فرمایا کہ نصف شب گذر جانے کے بعد آیا کرو،

اس زمانہ میں نصف شب کے بعد پُل کا دروازہ بند ہو جاتا تھا اور شیخ کی خانقاہ دریا کے اس پار تھی مگر اس سے آپ کے پائے طلب میں لغزش تک نہ آتی اور آپ ہر روز آدھی رات کے بعد تیر کر دریا کے پار جاتے اور شیخ سے کسب فیض کرتے آخر میں شیخ نے سلسلۂ قلندریہ کے ساتھ ساتھ سلسلۂ مداریہ فردوسیہ اور شطاریہ کی خلافت بھی عطا فرمائی، شیخ عبدالقدوس کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جب شیخ عبدالقدوس کے پاس کوئی طالب آتا تو فرماتے کہ میں اب ضعیف ہو گیا ہوں میاں محمد رشید بہت اچھا ذکر کرتے ہیں ان کے پاس جاؤ،[2]

ان سلاسل میں تکمیل کے بعد بھی ذوق طلب نے چین نہیں لینے دیا اور خواہش پیدا ہوئی کہ سلسلۂ قادریہ چشتیہ میں شیخ حسام الحق مانکپوری کے خاندان سے نسبت حاصل کرنا چاہیئے چنانچہ شاہ راجی سید احمد مانکپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ راجی نے بکمال شفقت و محبت چند دن اپنے پاس رکھکر خلعت خلافت سے مشرف فرمایا۔[3]

---

[1] گنج ارشدی ع و: ۱۲۹ ، [2] سمات الاخیار ص ۴۰ ،

[3] گنج ارشدی ۱۴۴ و نزہۃ الخواطر ۵ ،

ان مشائخ کے علاوہ اس دور کے دوسرے مشائخ سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہوئی بخوف طوالت ان کو نظر انداز کر دیا گیا،

اب آخر میں مؤلف مناقب العارفین کی رائے کو جو دیوان صاحب کے متعلق ظاہر کی ہے نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں :

(بحذف القاب) بندگی میاں شیخ عبدالرشید ابداللہ تعالیٰ ظلال عاطفتہ علیٰ روس المعتقد والمرید کہ فرید عصر است و وحید دہر در شریعت استادہ است و در طریقت صاحب الرشاد مخزنِ حقائق است و منبع دقائق طالب مجاہدہ است و صاحب مشاہدہ است قطب ولایت است و یگانۂ زماں غوث وقت است و قبلۂ جہاں با وجود ایں ہمہ کمالات اعتقاد بجماعت فقراء و صوفیۂ القدر داد کہ ہر کجا نام فقیرے می شنود بلا توقف بپیش وے می رود قصد ملاقات وے می کند و شدتِ مجاہدہ کہ وے دارد خارج طوق بشر است نفس امارہ را تابع و مطمئن ساختہ وے سلمہ اللہ قبل از اختیار ایں طریقہ مدتے در تحصیل علم می گذرانند و بعد از تحصیل کتب متداولہ در درس می مادند۔ انتہی بلفظ

یہ تحریر دیوان صاحب کی زندگی کا صحیح و کامل مرقع ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیوان صاحب کا مقام خود ان کے معاصرین و متعلقین کی نگاہ میں کیا تھا۔

(باقی)

امیّہ بن ابی الصّلت

(ایک حکیم شاعر)

از جناب مولانا عبدالحلیم صاحب ندوی فاضل مصر استاد عربی جامعہ ملیہ دہلی

(۲)

امیہ کی امتیازی خصوصیات امیہ بن ابی الصلت جزیرۂ عرب کے قصبات کے شعراء میں سب سے ممتاز اور مشہور شاعر شمار کیا جاتا ہے، زبان، اسلوب بیان اور معانی و مطالب میں ندرت، دلکشی اور فنی اعتبار سے کسوٹی پر پورے اترنے کے باوجود بعض علمائے لغت اس کو سند نہیں مانتے، اگرچہ وہ خالص عرب تھا، اور اس کے کلام سے مثال نہیں پیش کرتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کلام میں عبرانی اور سریانی زبان کے الفاظ بھی ملتے ہیں، جن کا تعلق عربی زبان سے نہیں، یہ اس وجہ سے ہوا کہ امیہ پہلے تو تجارت کی غرض سے اور بعد میں حق کی تلاش کی راہ میں عجمیوں اور دوسرے غیر عرب اقوام سے اکثر ملتا جلتا رہتا، ان کی کتابیں پڑھتا رہتا، ان کی باتیں سنتا، چنانچہ ان کی زبان کے بعض الفاظ اسکی زبان پر چڑھ گئے، اور پھر اس کے کلام میں بھی غیر شعوری طور پر در پا گئے، چنانچہ وہ آسمان کو حاقورہ کہا کرتا تھا، اور چاند کو الساہور، اس کا خیال تھا کہ

جب چاند گرہن پڑتا ہے تو درحقیقت چاند ایک غلاف کے اندر چھپ جاتا ہے، اسی طرح اس کا خیال تھا کہ سورج جب ڈوب جاتا ہے تو پھر دوبارہ طلوع ہونے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایسے لوگوں پر طلوع نہیں ہوں گا جو اللہ کو چھوڑ کر مجھے پوجتے ہیں، اس پر اسکے کوڑے لگتے ہیں، دھکے دیے جاتے ہیں، تب وہ دوبارہ طلوع ہوتا ہے، چنانچہ امیہ کہتا ہے:

لیست بطالعۃ لھم فی رسلھا　　الا معذبۃ والا تجلد

اسی طرح اس نے اپنے اشعار میں اللہ کو "السلطیط" اور "التغرور" کے نام سے یاد کیا ہے، اس کے علاوہ امیہ ایسی انوکھی باتیں بھی کہتا تھا جنھیں عام طور سے عرب نہیں جانتے تھے، ان باتوں کو وہ گذشتہ مقدس کتابوں سے اخذ کر کے عربی میں بیان کرتا تھا، اسکی مثال اس کا یہ شعر ہے:

بایۃ قام ینطق کل شیٔ　　وخان امانۃ الدیک الغراب

کہتے ہیں کہ ایک مرغ ایک کوے کا جگری دوست اور یار غار تھا، مگر کوے نے شراب کی خاطر ایک شراب بیچنے والے کے یہاں اسے گروی رکھ دیا، پھر اسے چھڑانے کے لیے لوٹ کر کبھی نہیں آیا، شراب بیچنے والا جب انتظار کر کے تھک گیا تو اپنی رقم کے عوض اس نے مرغ کو اپنی دکان کا چوکیدار بنا دیا، اسی طرح ہُدہُد کے بارے میں بھی اس کے چند اشعار مروی ہیں، جن کا ماحصل یہ ہے کہ ہدہد کے سر پر جو کلغی ہے درحقیقت اس کی ماں کی لاش ہے، جسے اس نے مرنے کے بعد اپنے سر پر رکھ لیا تھا، اور دفن کرنے کے لیے مناسب جگہ نہ ملی تو اس کی لاش مستقل طور سے اس کے سر پر جم کر رہ گئی، اور جب لاش سڑی تو اس کی بدبو اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی، یہی وجہ ہے کہ ہدہد کے جسم سے ایک خاص قسم کی بدبو آیا کرتی ہے، (تفصیل کے لیے دیکھئے، کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ، ص ۲۷۵ اور اسکے آگے)

امیہ کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا کلام تعقید معنوی اور تعقید لفظی
دونوں سے پاک ہے۔ البتہ ابتدائی زمانے کی شاعری میں جاہلی رنگ پورا پورا
جھلکتا ہے۔ یعنی الفاظ کا وہی شان وشکوہ اور گھمبیر پن ہے جو امرؤ القیس کے یہاں
ملتا ہے۔ مگر معنی میں وہ رفعت اور ندرت نہیں جو ایسے الفاظ کا تقاضا ہے۔ بلکہ معانی
ومطالب بالکل سادہ اور معمولی ہیں، جیسے اس کے یہ اشعار

وما یبقی علی الحدثان غفر — بشاهقة له ام رؤوم
تبیت اللیل حانیة علیه — کما یخرمش الارخ الاطوم
تصدی کلما طلعت لنشز — وودت انها منه عقیم

یعنی مصائب زمانہ (یعنی موت) سے پہاڑی بکری کا وہ بچہ بھی نہیں بچ سکتا جو
پہاڑی کی چوٹی پر ہو اور اس کے پاس اس کی شدید محبت کرنے والی ماں ہو جو اس کی
نگہداشت اور دیکھ ریکھ میں راتوں کو جاگ کر اس طرح گزار دیتی ہو جس طرح کہ ایک
نیل گائے جو اپنے بچے پر جان دیتی ہے، چپ چاپ دائیں بائیں اس خیال سے بار بار
مڑ کر دیکھتی ہے کہ اس کے بچے کو نقصان پہنچانے والا کوئی جانور تو کہیں آس پاس نہیں ہے،
چنانچہ اپنے بچے کو بری طرح چاہنے والی یہ گائے جب بھی کسی بلند ٹیلے پر چڑھتی ہے تو
سب سے پہلے کان لگا کر سنتی ہے کہ کہیں اس کے بچے کو مار کر داغ جدائی دینے والا کوئی
جانور ادھر ادھر تو نہیں ہے۔ اور اس طرح بچے کی خاطر بے چینی اور پریشانی کی
تکلیف سے عاجز آ کر یہ چاہتی ہے کہ کاش اس نے اسے جنم ہی نہ دیا ہوتا۔

مذکورہ بالا اشعار میں ایسے بھاری بھرکم اور غریب الفاظ استعمال کیے گئے
ہیں جو عام طور سے شعرا کے یہاں نہیں ملتے۔ اسی طرح اس کے یہ اشعار بھی جو ان نے

مقتولین بدر کے مرثیہ کے لیے کہے تھے، موٹے موٹے الفاظ لیکن سطحی معنی کے مثال کے طور پر
پیش کیے جاسکتے ہیں:

ماذا ببدر فالعقنقل — من مرازبة جحاجح
هلا بکیت علی الکرا — م بنی الکرام اولی الممادح

یعنی بدر اور اس کے زیت کے ٹیلے پر بڑے بڑے بہادروں، سرداروں اور شہسواروں
پر کیا کچھ نہ گزری، تم شریف اور شریف زادوں اور اخلاق و عادات میں بلند ترین
اشخاص پر روئے نہیں۔

لیکن اس کا کچھ کلام ایسا بھی ہے جس میں سہل الفاظ اور دلکش اسلوب بیان
پایا جاتا ہے، غالباً یہ اس دور کا کلام ہے جب اس کا دل معرفت حقیقت سے معمور
ہو چکا تھا، اور اس میں جلا پیدا ہو گئی تھی، اس قسم کے اشعار میں اس نے مابعد الطبیعاتی
اور عام ڈگر سے ہٹی ہوئی باتیں کہی ہیں، جیسے دنیا کی پیدائش اور اس کا ایک دن فنا
ہو جانا، یا قیامت کے حالات، خالق اور اس کی صفات اور شان اور پھر اس سے
تعلق جوڑنے کی وہ باتیں جو اس سے پہلے کسی شاعر نے نہیں کہیں، جیسے اس کے یہ اشعار

الحمد للہ ممسانا ومصبحنا — بالخیر صبحنا ربی ومسانا
رب الحنیفة لم تنفد خزائنه — مملوءة طبق الآفاق سلطانا
وقد علمنا لو ان العلم ینفعنا — ان سوف تلحق اخرانا باولانا

یعنی شکر اس خدا کے لیے سزاوار ہے جو ہماری شامیں اور ہماری صبحیں لاتا ہے۔
اے میرے رب خیر اور بھلائی سے ہماری صبحیں اور شامیں لا، وہ ملت
ابراہیمی کا رب ہے، اس کے خزانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں کبھی ختم نہیں ہوتے، اس نے

ساری کائنات کو اپنی طاقت اور کار فرمائی سے گھیر رکھا ہے، اگر ہمیں علم سے کوئی فائدہ پہنچ سکے تو ہمیں یہ خوب معلوم ہے کہ ہمارے بچھڑے لوگ آگے جانے والوں سے عنقریب مل جائیں گے یعنی بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔

یا اپنے بیٹے سے ناراض ہو کر...... اس کو ڈانٹتے ہوئے یہ شعر اس نے کہے ہیں

(۱) غذوتك مولودا و منتك يافعاً   تعل بما اجنى عليك وتنهل

(۲) اذا ليلة نابتك بالشجو لم ابت   لشكواك الا ساهراً تململ

(۳) كانى انا المطروق دونك بالذى   طرقت به دونى فعينى تهمل

(۴) تخاف الردى نفسى عليك وانها   لاعلم ان الموت حتم موجل

(۵) فاما بلغت السن والغاية التى   اليها مدى ما كنت فيك اومل

(۶) جعلت جزائى غلظة وفظاظة   كانك انت المنعم المتفضل

(۱) تیری پیدائش کے وقت سے تجھے میں نے کھلایا پلایا اور پالا پوسا اور جب تو سیانا ہوا تو تیری جملہ ضرورتیں پوری کیں، چنانچہ تو میری کمائی سے گل چھرّے اڑاتا رہا اور جی بھر کر مزے کرتا رہا،

(۲) اگر کسی رات کو تجھے کوئی تکلیف ہوئی تو میں پوری رات تیری تکلیف کی وجہ سے بیکل ہو کر آنکھوں میں کاٹ دیتا،

(۳) گویا کہ جو تکلیف تجھے ہو رہی ہے وہ تجھے نہیں بلکہ مجھے ہو رہی ہے، اور اس وجہ سے میری آنکھیں گنگا جمنی بہاتی ہیں،

(۴) میرے دل کو ہر وقت تیری موت کا دھڑکا لگا رہتا تھا، حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ موت کا ایک دن معین ہے، اور وہ اس دن آکر رہے گی،

(۵) مگر جب تو اس عمر اور اس منزل کو پہنچ گیا جس سے میں اپنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھا تو

(۶) تو تو نے اس کا صلہ سنگدلی اور درشتی سے دیا، گویا کہ تم ہی میرے کرم فرما اور محسن تھے۔

عبد اللہ بن جدعان جو زمانہ جاہلیت میں اپنی جود وسخا میں بہت مشہور تھا، امیہ کا ممدوح تھا، اس کی تعریف میں اس نے وہ مدحیہ قصیدہ کہا تھا جس کا مطلع ہے

أأذكر حاجتى ام قد كفانى   حياؤك ان شيمتك الحياء

یعنی کیا میں اپنی ضرورت کو کھول کر آپ سے بیان کروں (تب مجھے اپنے انعام واکرام سے نوازیں گے) یا میرے لیے آپ کی خوئے شرم کافی ہے، آپ کی جبلت ہی لحاظ و شرم کرنا ہے۔

اغانی نے روایت کی ہے کہ جب اس نے عبد اللہ بن جدعان کی تعریف میں وہ قصیدہ کہا جس کا مطلع ہے:

عطاؤك زين لامرئ ان حبوته   ببذل وما كل العطاء يزين

یعنی آپ کی بخشش مانگنے والے کے حق میں زیب و زینت بن جاتی ہے، حالانکہ تمام قسم کے عطیات آدمی کے لیے زیب و زینت نہیں بنتے ہیں، یعنی جس کو آپ دیتے ہیں اتنے اعزاز واکرام سے دیتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ وہ اس کو اپنی بے عزتی سمجھے، عزت کا تمغہ سمجھنے لگتا ہے، چنانچہ عبد اللہ بن جدعان اتنا خوش ہوا کہ اپنی دو پسندیدہ لونڈیاں جن کا نام جرادتان تھا اسے انعام میں دے دیں۔

امیہ نے ایک قصیدہ ایسا بھی کہا ہے جس میں اللہ اور فرشتوں کا ذکر کیا ہے۔

اس کا مطلع ہے:۔

لک الحمد والنعماء والملک ربنا — فلا شئ اعلی منک مجدا و امجد

یعنی اے ہمارے رب تیرے ہی لیے ساری تعریفیں، ساری نعمتیں اور ساری بادشاہی ہے، عزت میں تجھ سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے۔

اسی قصیدہ میں جبرئیل اور میکائیل فرشتوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

امین لوحی القدس جبریل فیہم — ومیکال ذوالروح القوی المسدد

یعنی ان فرشتوں میں وحی قدس کے امین جبرئیل بھی ہیں اور میکائیل بھی جو بڑی طاقتور اور پاکیزہ روح کے مالک ہیں،

امیہ بن ابی الصلت کے اس قصیدہ کا جسے مجمہرات میں شمار کیا جاتا ہے، مطلع ہے

عرفت الدار قد اقوت سنینا — لزینب اذ تحل بہا قطینا

یعنی میں نے زینب کی وہ جائے رہائش پہچان لی جس میں وہ رہا کرتی تھی، اور جو اب ویران وسنسان پڑی ہوئی ہے

اس کے بعد اپنے آباواجداد پر فخر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ہم لوگ اتنے طاقتور اور رعب داب کے مالک ہیں کہ جس جگہ چاہتے ہیں اتر پڑتے ہیں اور اتنے بہادر ہیں کہ جب دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے تو خوب تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں، اور جس وقت ہم چاہتے ہیں لوگوں کو روک دیتے ہیں اور ہمیں مدد کے لیے بلایا جائے تو ہم مہربانی کا سلوک کرتے ہیں، اور جب آزمانے کے لیے خاندان پر مصیبتیں آن پڑتی ہیں تو ہم لوگ بڑھ کر ان مصیبتوں کو اٹھا لیتے ہیں۔

بانا النازلون بکل ثغر — وانا الضاربون القتینا

وانا المانعون اذا اردنا — وانا العاطفون اذا دعینا

وان الحاملون اذا اناخت — خطوب فی العشیرۃ تبتلینا

اس کے بعد لڑائی میں اپنی قوم کی بہادری کے کارناموں کو بیان کرنے کے بعد اس قصیدہ کو ختم کر دیتا ہے، امیہ کے اس قصیدہ کے بہت سے اشعار معنی اور وزن دونوں میں عمرو بن کلثوم کے مشہور معلقہ سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

اوپر کی مثالوں سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ امیہ بن ابی الصلت بلاشبہ قادر الکلام شاعر ہے، لیکن اسلوب بیان اور معانی ومطالب کے اعتبار سے اس کو کوئی امتیازی شان نہیں حاصل ہے، کیونکہ مابعد الطبیعیاتی تصورات کو چھوڑ کر عام معانی ومطالب پسے ہوئے ہیں، بعض علماء نے اسے جاہلی شعراء کے طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کے کلام کو دیکھ کر اس میں کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آتی کہ ہم اسے طبقہ اولیٰ میں شامل کر سکیں، امیہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے اس زمانہ میں مذہب اور مابعد الطبیعیاتی مسائل پر گفتگو کی ہے، یہ ایسے مسائل ہیں جو جاہلی شاعری میں ناپید تھے، اس لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ امیہ نے ان مسائل پر خود تو کم کہا ہے لیکن بعد میں آنے والوں نے ان مسائل سے متعلق اشعار کہہ کر اس کے نام سے مشہور کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے اکثر اشعار ناموزوں، رکیک اور معنی ومطالب کے اعتبار سے بہت گھٹیا ہیں۔

بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ اس قسم کے نامانوس اور جاہلی معاشرہ میں غیر معروف خیالات وافکار کو اس نے دوسرے مذاہب کی کتابوں سے اخذ کر کے عربی کا جامہ پہنا دیا تھا، اور چونکہ یہ خیالات عام رجحانات اور سماجی حالات سے میل نہیں کھاتے تھے، اور شاید ان سے متعلق خود اسکا ذہن بھی صاف نہیں تھا، اس لیے ان اشعار

میں تعقید، ژولیدہ بیانی اور ابہام پیدا ہو گیا ہے، اور اس ژولیدگی اور ابہام کو بڑھانے میں ان تعبیرات اصطلاحات اور ناموں کو بھی دخل ہے جنھیں وہ دوسری کتابوں سے اخذ کر کے عربی میں بیان کرتا تھا، اور لوگ انھیں اچھی طرح نہ سمجھتے تھے، اور نہ اُن کے صحیح معنی اور مفہوم کو جانتے تھے،

کہتے ہیں کہ جب امیہ پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی اور مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اسے ہوش آیا، تو وہ فضائیں دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہ لو میں تم دونوں کی خدمت میں حاضر ہوں، تم دونوں کی خدمت میں حاضر ہوں، یہ دیکھو تمھارے پاس ہی یہ میں ہوں، اب تو مال نہ مجھے چھڑا سکتا ہے اور نہ خاندان مجھے بچا سکتا ہے، خداوندا اگر تو بخشندہ ہے تو میرے تمام گناہوں کو بخش دیا کیونکہ تیرا کونسا بندہ ایسا ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہوئے ہوں، پھر اس نے اپنے پاس کے لوگوں پر ایک نظر ڈالی. اور یہ شعر اس کی زبان پر رواں ہو گئے،

كل عيش وان تطاول دهرا — منتهى أمره الى أن يزولا

ليتني كنت قبل ماقد بدالی — فی رؤس الجبال ارعى الوعولا

اجعل الموت نصب عينيك واحذ — غولة الدهر ان الدهر غولا

ہر زندگی خواہ اس کی مدت کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، اس کا انجام یہ ہے کہ ایک دن اُسے زوال آ کر رہے گا، کاش کہ اس حقیقت کے منکشف ہونے سے پہلے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر جنگلی بکروں کو چرایا کرتا تو موت کو اپنا مقصد اور مرکز بنائے رکھا، اور آفات زمانہ سے ہمیشہ ہوشیار رہ کیونکہ زمانہ کی مصیبتیں یکایک آ جاتی ہیں،

اس کے بعد اُس نے آنکھیں موند لیں، اور دنیا سے رخصت ہو گیا، اس کی وفات سنہ ۹ھ مطابق ۶۲۳ء میں ہوئی،

حوالہ جات:-

(۱) الاغانی جلد ۳ و ۱۳، (۲) طبقات فحول الشعراء لابن سلام الجمحی (۳) سیرۃ ابن ہشام، (۴) الہلال السنۃ التاسعہ (۵) تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ لجرجی زیدان (۶) الوسیط احمد الاسکندری (۷) تاریخ الادب العربی احمد حسن الزیات (۸) تاریخ العرب قبل الاسلام جواد علی جلد ۵ (۹) البیان والتبیین جلد اول ص ۲۴، و ص ۲۹۱؛ جاحظ (۱۰) تفسیر امام رازی (۱۲) تفسیر امام بیضاوی (۱۳) مفردات القرآن امام راغب اصفہانی، (۱۴) کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ (۱۵) جمہرۃ اشعار العرب: ابو زید القرشی (۱۶) حاشیہ الدر المنثور للسیوطی (۱۷) سیرۃ النبی علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸) صاحب الاغانی ابو الفرج الاصفہانی، دکتور محمد احمد خلف اللہ (۱۹) مع ابی الفرج الاصفہانی فی کتاب الاغانی، علی العمیر (۲۰) فی الادب الجاہلی الدکتور طہٰ حسین،

مقالہ نما

مضامین الندوہ

از مولوی سلطان شمسی صاحب ندوی

(۴)

تذکرہ وسوانح

اکرام اللہ خان ندوی　　نومبر ۱۹۱۴ء

۱- شمس العلماء شبلی نعمانی　　ص - ۲۴ - ۲۸

حوالہ ۲۴۴/۱

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی وفات ایک ایسا حادثہ جانگداز اور واقعہ ہوشربا ہے جس نے ارباب علم وفن کی مجالس کو ماتم کدہ بنا دیا ہے، اس دور انحطاط میں جب کہ اسلامی علوم وفنون زوال پذیر ہیں، علامۂ مرحوم کی ذات ایک آفتاب روشن تھی، جس سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام روشنی حاصل کر رہی تھی،

۲- حاجی معین الدین　　جولائی ۱۹۴۱ء

ص - ۱۰ - ۲۲

حوالہ ۲۸۰/۲

حاجی صاحب دار المصنفین کے اولین رفقاء میں تھے، اور انھوں نے ایک خوشگوار

ماحول میں اپنا کام شروع کیا، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ دار المصنفین میں سب کام کرنے والے ندوی تھے، اس لئے اُن کے خیالات وافکار میں یکسانیت تھی، اس کے علاوہ وہ سب علامہ کی بارگاہ فضل وکمال کے حاشیہ نشین تھے، اور کم وبیش اُن کے علمی فیوض وبرکات سے مستفید ہو چکے تھے۔"

ریاض الحسن صاحب　　رجب ۱۳۲۳ء

۱- "قاضی احمد بن داؤد"　　ص - ۱۷ - ۳۲

۲۷۹/۲

عہدِ بنو عباس کے مشہور وممتاز قاضی تھے، ان کا علم وفضل تشریح وبیان کا محتاج نہیں، اپنے زمانہ میں قبولیت عام اور ہر دلعزیزی جیسی انھیں نصیب ہوئی کسی کو نہ تھی، مامون، معتصم واثق اور متوکل چار خلیفوں کا زمانہ پایا، زمانہ شباب میں اُن کی جاہ وثروت روز افزوں تھی، لیکن آخری زمانہ نہایت تنگی سے بسر ہوا، اوسط عمر کے ایام خیر الامور بڑے مزے میں گذرے،

مختصر سوانحی اور شخصی حالات

ریاض الحسن صاحب خیال　　دسمبر ۱۹۰۸ء

۲- ابو الاسود دوئلی　　ص - ۲۰ - ۲۹

حوالہ ۲۷۹/۵

مختصر سوانح اور حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے،

سلیمان ندوی (سید علامہ)　　جون ۱۹۱۱ء

۱- دنیا کا بزرگ ترین انسان،　　ص - ۱ - ۳　　حوالہ ۲۷۹/۸

(محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم)

دنیا کا علی الاطلاق سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کی قلیل مدت
میں مذہب، فلسفہ، قانون، معاشرت، قانون تمدن اور قانون سیاست وضع کیا،

"سیرت نبوی سے متعلق مضمون"

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا — اپریل ۱۹۰۸ء

ص - ۲۱ - ۳۱

سیرت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا — حوالہ - ۲۷۹/۵

۳۔ ابن خلکان اور تاریخ ابن خلکان — اکتوبر ۱۹۰۸ء نومبر ۱۹۰۸ء

کے حالات خود تاریخ ابن خلکان سے ! حوالہ ۲۷۹/۵

"انگلش ڈی اسلین" کا ابن خلکان پر ریویو دیکھ کر تحریک پیدا ہوئی، کہ ابن
پر ریویو کیا جائے، ناظرین کو اس میں وہ واقعات نظر نہ آئیں گے، جو بعض دوسرے
تذکروں میں موجود ہیں، کیونکہ اس مضمون میں التزام کیا گیا ہے، کہ کوئی واقعہ ابن خلکان
سے باہر نہ ہو"

۴۔ اعیان و ارکان ندوہ — اپریل ۱۹۴۲ء

"تذکرہ سید تجمل حسین صاحب" — ص ۴ - ۱۸

حوالہ ۲۸۰/۳

منجملہ اُن بزرگوں کے جو ندوۃ العلماء کے ابتدائی شرکا رہیں تھے، ایک قابلِ ذکر
ہستی مولانا شاہ سید تجمل حسین صاحب دیسنوی بہاری کی ہے، جن کا ذکر الندوہ میں
ضمناً آیا ہے، گو اب اکثر لوگ ان کو بھول چکے ہوں گے، لیکن اخلافِ سعید کا فرض ہے
کہ اسلاف کرام کے ناموں اور کاموں کو محفوظ رکھیں، (سوانح اور شخصی حالات)

۵۔ امام بخاری، — جنوری ۱۹۰۶ء

ص - ۲ - ۲۵

حوالہ ۲۷۹/۳

"صحیح بخاری کو مسلمانوں میں جو عام مقبولیت حاصل ہے اس کا اندازہ صرف اس امر
سے ہو سکتا ہے، کہ صحت کے لحاظ سے کتاب اللہ کے بعد اس کو جگہ دی گئی، لیکن افسوس ہے کہ
بہت کم لوگ اس کے نامور جامع کے حالات سے واقف ہوں گے، اس لئے اس مضمون
میں ہم امام موصوف کے حالات جمع کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں"

۶۔ امام مالک — جنوری ۱۹۰۷ء

ص - ۱ - ۱۵

حوالہ ۲۷۹/۳

"مسلمانوں نے جس طرح سے امام صاحب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے وہ
اس سے ظاہر ہے، کہ مورخین نے امام کے سوانح کا کس جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے
علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مستقل کتاب امام مالک کے حالات میں لکھی ہے
تاریخ کبیر میں بھی بسط کے ساتھ حالات لکھے ہیں"

۷۔ مولانا بحر العلوم اور ان کی — اپریل و مئی ۱۹۰۷ء

یک صدی سالگرہ — حوالہ - ۲۷۹/۴

ہندوستان کے مطلع پر ۹ سو برس تک اسلامی ہلال چمکتا رہا۔ اس عرصہ میں آسمان علم
کے سیکڑوں ستارے نکلے، اور ڈوبے اور سیل علوم بڑھے اور گھٹے، مگر بحر العلوم اس شان
سے معقولات کے افق پر طلوع ہوا، کہ اکثر ستارے اس کے آگے ماند پڑ گئے، ۱۲۲۵ء میں

بحرالعلوم نے وفات پائی، اور یہ ۱۹۳۵ء ہے، اس تقریب سے یہ مضمون بحرالعلوم کی یکصدی سالگرہ کی یادگار ہے۔"

۸۔ سید رشید رضا مصری — مارچ ۱۹۱۲ء

۳ - ۵ -

حوالہ ۲۷۹/۴

"سید رشید رضا جو ندوہ کے ۱۹۱۲ء کے جلسۂ سالانہ کی شرکت کی غرض سے ہندوستان آچکے ہیں، چونکہ ان کے حالات سے لوگوں کو بہت کم واقفیت ہے، اس لئے ایک عام واقفیت کے لئے اُنکا کسی قدر تذکرہ مناسب ہوگا"

"مختصر حالات"

۹۔ لارڈ کالون — مارچ ۱۹۰۸ء

ص - ۲۲ - ۲۹

حوالہ ۲۷۹/۵

ہمارے علما، اور طلبہ کو ارسطو، افلاطون، بقراط کے نام اُن کے کارنامے اس طرح حفظ ہیں کہ مذہبی، پیشواؤں کے بھی نہ ہوں گے، لیکن یورپ کے موجودہ حکما، اور ان کی ایجادات اور اختراعات سے اس قدر بے خبر ہیں کہ ان کو ایزک ٹیلر، ڈیکارٹ پاسٹور، ہیکل، نیوٹن کے نام معلوم ہیں، چونکہ ندوہ کا ایک مقصد دونوں مذاقوں کا باہم آشنا کرنا ہے، اس نے یورپ کے حکما، اور اُن کی تحقیقات سے بھی الندوہ کے ناظرین متمتع ہوتے رہیں"

لارڈ کالون کی شخصیت کا جائزہ"

شبلی نعمانی علامہ

۱۔ ابن تیمیہ، — جولائی ۱۹۰۸ء

ص - ۵ - ۱۹

حوالہ ۲۷۹/۵

"علامۂ موصوف نے جن اساتذۂ علوم سے تحصیل کی اُن کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے جن میں مشاہیر کے نام یہ ہیں، ابن ابی الیسر، کمال بن عبد، شمس الدین حنبلی، قاضی شمس الدین بن عطا، الحنفی، شیخ جمال الدین صیرفی، مجد الدین بن عساکر، نجیب مقداد، ابن ابی الخیر، ابن علان، ابوبکر ہروی، کمال، عبد الرحیم فخر الدین بن البخاری، ابن شیبان، شرف بن القواس؛"

۲۔ ابن رشد، — رجب ۱۳۲۲ھ و ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

حوالہ ۲۷۹/۱

عرب مورخ متفق اللفظ ہیں، کہ اندلس میں فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا عام طور پر ناممکن تھا، اگر یہ صحیح ہے تو ابن رشد، ابن طفیل، ابن باجہ جیسے حکما کا اس ملک میں پیدا ہونا اسباب تاریخی کے خلاف ہے، اس لئے ہم اس عقدہ کو حل کرنا چاہتے ہیں،

۳۔ ابو طالب کلیم، — نومبر و دسمبر ۱۹۰۹ء

حوالہ ۲۷۹/۶

ملک الشعرا شاہجہانی۔

یہ یگانۂ فن صحیفۂ شاعری کا اخیر ورق ہے، اور اس کے نام پر شعرا العجم بھی تمام ہوئی، شاہجہان نے اس کے صلہ میں روپیہ کے برابر تلوایا، چنانچہ ۵۰۰۰ روپیہ وزن میں آئے،

اور اس کو دیئے گئے،"

۴۔ ڈاکٹر برٹن — جون ۱۹۰۹ء

ص ۔ ۱۰ ۔ ۱۲

حوالہ ۲۷۹/۶

"ڈاکٹر برٹن جرمن کا مشہور فاضل ہے. وہ کثرت سے مختلف زبانیں جانتا ہے، اور اس نے تین یونیورسٹیوں سے فلسفہ کی ڈگری حاصل کی ہے، چار برس سے اُس نے اپنی زندگی صرف عربی فلسفہ کی تحقیقات پر وقف کر دی ہے،"

۵۔ زیب النسار — اکتوبر ۱۹۰۹ء

ص ۔ ۴ ۔ ۱۴

حوالہ ۲۷۹/۶

"مسلمانوں میں بازاری اہل قلم نے زیب النسار کے جو حالات تجارتی غرض سے قلم بند کئے، وہ بالکل بے سروپا ہیں، اس بنا پر خیال ہوا کہ زیب النسا کے متعلق صحیح معلومات یکجا کر دیئے جائیں ۔۔۔ جس سے یہ فائدہ ہوگا کہ غلط معلومات کی اصلاح ہو جائے گی،"

۶۔ عالمگیر — دسمبر ۱۹۰۶ء تا جولائی ۱۹۰۷ء

حوالہ ۲۷۹/۳۔۴۴

"عالمگیر کی بدنامی کا قصہ ... کچھ کم نہیں اس کی فرد قرارداد جرم اتنی لمبی ہے کہ شاید کسی مجرم کی نہ ہوگی، باپ کو قید کیا، بھائیوں کو قتل کرایا، دکن کی اسلامی ریاستیں مٹادیں، ہندوؤں کو ستایا، بت خانے ڈھائے، مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری

سلطنت کے ارکان متزلزل کر دئے، لیکن ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس خاندان میں عادل سے عادل بادشاہ پر قریب قریب یہ قرارداد جرم قائم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۷۔ متنبی — ربیع الآخر ۱۳۲۳ء

ص ۔ ۵ ۔ ۲۴

حوالہ ۲۷۹/۲

"متنبی اگرچہ چوتھی صدی کا شاعر ہے جبکہ شعرائے عرب کے تمام اوصاف مٹ چکے تھے، اور جب کہ شاعری صرف بھٹئی اور گداگری رہ گئی تھی، تاہم چونکہ متنبی کا بچپن صحرائے عرب اور بدویوں میں گذرا تھا، اس لئے عرب کے بہت سے شریفانہ اخلاق اس میں نظر آتے ہیں،

متنبی پر مبسوط مقالہ شخصیت اور شاعری کا جائزہ اور تجزیہ"

۸۔ ملک الشعرا فیضی — ستمبر ۱۹۰۸ء

ص ۔ ۲۷ ۔ ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۵

"فن شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا ہوئے جس کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی ..... فیضی کے مذہبی اور علمی خیالات کا برائے نام کچھ پتہ چلتا ہے، تو ان اتہامات سے جو بدایونی نے نہایت بے دردی سے اس پر لگائے ہیں،"

۹۔ مرزا صائب — مئی ۱۹۰۶ء ص ۔ ۵ ۔ ۲۰

حوالہ ۲۷۹/۳

اور اس کو دیئے گئے،

۴۔ ڈاکٹر برٹن　　جون ۱۹۰۹ء

ص۔ ۱۰۔ ۱۲

حوالہ ۲۷۹/۶

"ڈاکٹر برٹن جرمن کا مشہور فاضل ہے۔ وہ کثرت سے مختلف زبانیں جانتا ہے، اور اس نے تین یونیورسٹیوں سے فلسفہ کی ڈگری حاصل کی ہے، چار برس سے اُس نے اپنی زندگی صرف عربی فلسفہ کی تحقیقات پر وقف کر دی ہے"،

۵۔ زیب النساء　　اکتوبر ۱۹۰۹ء

ص۔ ۴۔ ۱۴

حوالہ ۲۷۹/۶

مسلمانوں میں بازاری اہل قلم نے زیب النساء کے جو حالات تجارتی غرض سے قلم بند کئے، وہ بالکل بے سروپا ہیں، اس بنا پر خیال ہوا کہ زیب النساء کے متعلق صحیح معلومات یکجا کر دیئے جائیں ۔۔۔ جس سے یہ فائدہ ہوگا کہ غلط معلومات کی اصلاح ہوجائے گی،

۶۔ عالمگیر　　دسمبر ۱۹۰۶ء تا جولائی ۱۹۰۷ء

حوالہ ۲۷۹/۳-۴-۵

"عالمگیر کی بدنامی کا قصہ ۔۔۔ کچھ کم نہیں اس کی فرد قرارداد جرم اتنی لمبی ہے کہ شاید کسی مجرم کی نہ ہوگی، باپ کو قید کیا، بھائیوں کو قتل کرایا، دکن کی اسلامی ریاستیں مٹادیں، ہندوؤں کو ستایا، بت خانے ڈھائے، مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری

سلطنت کے ارکان متزلزل کردئے، لیکن اور تمام باتوں سے قطع نظر کرکے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس خاندان میں عادل بادشاہ پر قریب قریب یہ قرارداد جرم قائم ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۷۔ متنبی ۔　　ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

ص۔ ۵۔ ۲۴

حوالہ ۲۷۹/۲

"متنبی اگرچہ چوتھی صدی کا شاعر ہے جبکہ شعرائے عرب کے تمام اوصاف مٹ چکے تھے، اور جب کہ شاعری صرف بھٹئی اور گداگری رہ گئی تھی، تاہم چونکہ متنبی کا بچپن صحرائے عرب اور بدویوں میں گذرا تھا، اس لئے عرب کے بہت سے شریفانہ اخلاق اس میں نظر آتے ہیں،

متنبی پر مبسوط مقالہ شخصیت اور شاعری کا جائزہ اور تجزیہ"

۸۔ ملک الشعراء فیضی　　ستمبر ۱۹۰۸ء

ص۔ ۲۷۔ ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۵

"فن شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا ہوئے جس کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی ۔۔۔ فیضی کے مذہبی اور علمی خیالات کا برائے نام کچھ پتہ چلتا ہے، تو ان اتہامات سے جو بدایونی نے نہایت بے دردی سے اس پر لگائے ہیں"،

۹۔ مرزا صائب　　مئی ۱۹۰۷ء　　ص۔ ۵۔ ۲۰

حوالہ ۲۷۹/۳

ایران میں شاعری رودکی سے شروع ہوئی، اور مرزا صائب پر ختم ہوگئی، ......
مرزا صائب بھی اس عہد کی یادگار ہیں، اور سچ یہ ہے کہ کلیم کے سوا اس دور میں کوئی شخص اس
کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور اس کے بعد تو عالمگیر کے زہد خشک نے شاعری کا چراغ
ہی گل کر دیا"،

۱۰- طالب آملی، 　　جون ۱۹۰۶ء

ص - ۱ - ۱۹

حوالہ ۲۷۹/۳

طالب آمل کا رہنے والا تھا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، بچپن میں درسی علوم
وفنون کی تعلیم پائی، اور اگر اس کی شہادت پر اعتبار کیا جائے، تو ۱۵ - ۱۶ برس کی عمر
میں اس نے ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویسی میں کمال حاصل کر لیا"

۱۱- عمر بن عبدالعزیزؓ 　　ذی الحجہ ۱۳۲۲ء

ص - ۱ - ۱۱

حوالہ ۲۷۹/۱

مناقب عمر بن عبدالعزیزؓ کے موضوع پر ابن جوزی کی کتاب سیرۃ العمیدین پر مختصر
ریویو کے بعد اس سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، جس سے شخصیت اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے"

شیروانی حبیب الرحمن خاں صدر یار جنگ 　　مارچ ۷۲ء

۱- ندوہ کا شرقی مطلع 　　ص - ۹ - ۱۴

(حضرت فضل الرحمن گنج مرادآبادی) 　　حوالہ ۲۸۷

اس مضمون میں بتایا ہے کہ اس سلسلہ کا رابطہ ایک اور روحانی مرکز سے بندھا ہے،

جس کا نام نامی حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی تھا، .... مشرق ومغرب
کے یہی دو مطلع تھے، جن سے ندوۃ العلماء کا آفتاب طلوع ہوا"،

۲- شیخ محمد طاہر گجراتی، 　　جولائی ۱۹۰۷ء

ص - ۱ - ۵ -

حوالہ ۲۷۹/۴

خاکِ ہندوستان سے جو نامور علماء پیدا ہوئے، اُن میں شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں،
شیخ ممدوح اس ملک کے ان معدودے چند علماء میں سے ہیں، جن کی قسمت میں فنِ حدیث کی
خدمت اور احیائے سُنّت کی سعادت لکھی تھی، مغلیہ سلطنت جہاں اور بہت سی برکتیں لائی
تھی، وہاں حدیث وسُنّت کے رواج کی نعمت بھی لائی تھی،

۳- امام لیث مصری 　　ذی الحجہ ۱۳۲۲ء

ص - ۱۸ - ۲۸

حوالہ ۲۷۹/۱

"یہ امر قابلِ غور ہے کہ امام لیث جو علوم دینیہ میں طبقہ تبع تابعین میں فائق تھے، اُن کا
دنیاوی جاہ وجلال امرائے زمانہ سے بدرجہا فائق تھا، فی الواقع اس حریت اور آزادی
حوصلہ کا (جو تعلیم اسلام کی پابندی نے اس عہد کے مسلمانوں میں پیدا کر دی تھی) یہ جلوہ
تھا کہ دینی ودنیاوی دونوں میدانوں میں وہ مردانہ وار آتے تھے،

۴- مولانا محمد حسین الہ آبادی 　　شعبان ۱۳۲۲ھ

ص - ۱۹ - ۲۰ 　حوالہ ۲۷۹/۱

"حالِ وفات"

ادبیات

محسنِ انسانیت (اردو اضافہ)

از

جناب وارث القادری

نہ مثال ہے مری صبح کی نہ جواب ہے مری شام کا
ہوں فدائے جلوۂ مصطفےٰ یہ کرم ہے ربِّ انام کا

وہ نبی حق کہ سکھا گیا جو شعور امن و سلام کا
ہے جہانِ حیات میں روشنی یہ کرم اُنہی کے پیام کا

ہو نصیب قرب وہ اس طرح ہو نصیب بابِ سلام کا
کہ سلام شوق پہ مر مٹے یہی مدعا ہے غلام کا

ہے عجیب مومنِ دورِ نو کہ فقط ہے نام ہی نام کا
نہ رکوع کا نہ سجود کا، نہ قعود کا نہ قیام کا

جو نگاہِ لطف و کرم اٹھے تو سنوار دیں وہ اک آن میں
کہ بس انحصار انھیں پہ ہے مری زندگی کے نظام کا

یہ شرف عجب عطا ہوا کبھی کر سکوں گا نہ شکر ادا
کہ خدا کے فضل سے اُمتی ہوں شفیعِ روزِ قیام کا

ہے سحر امید کی جلوہ گر انھیں آنسوؤں میں کروفر
کہ یہ دردِ عشق پیامبر ہے امینِ عیشِ دوام کا

مرا میکدہ وہ ہے میکدہ کہ جہاں خمارِ الست کا
اسے میکدہ میں بتاؤں کیا جہاں صرف دور ہے جام کا

نہ تو نور ہی ہو نہ یہ ضیا نہ یہ چاندنی کا ہی سلسلہ
جو فلک کے چاند میں عکس ہو نہ عروجِ ماہِ تمام کا

بس انھیں کے حکم پہ کر عمل جو غلط ہو راہ نہ اس پہ چل
اسی بات میں تری بات ہے یہی کام ہو ترے کام کا

یہ مرے حضور کا آستاں ہے پناہ گاہِ ہر انس و جاں
نہ تو شرط ہے کوئی خاص کی نہ سوال ہے کوئی عام کا

کبھی اس خیال پہ تو نہ جا یہ غلام بے نسب تھا
کہ بروزِ حشر معاملہ ہے حساب نام بہ نام کا

ترے رخ سے جس کی نظر ہٹی تری زلف سے جو جدا ہوا
نہ ادھر کا ہے نہ اُدھر کا ہے نہ وہ صبح کا نہ وہ شام کا

تری عظمتوں کا شمار کیا تری رفعتوں کی مثال کیا
کہ حریف کوئی نہ بن سکا ترے آستاں کے غلام کا

ہے خدا کا اس پہ بڑا کرم کہ بنا ہوا ہو جو شیفتہ
تری ذات کا تری بات کا ترے کام کا ترے نام کا

وہ بشیر ہیں وہ نذیر ہیں وہ رؤف ہیں وہ رحیم ہیں
کوئی مرتبہ نہ سمجھ سکے گا نبی عرش مقام کا

جو خلافِ دورِ جہاں ہوا جو زمانہ دشمنِ جاں ہوا
تو کچھ اور رنگ نکھر گیا مرے نقش ہائے دوام کا

مری چشمِ دل میں ہیں جھلکیاں رخِ پر ضیائے رسول کی
نہ مری نظر کو فریب دے کوئی جلوۂ سرِ بام کا

یہی چیز باعثِ فخر ہے مرے حق میں وارثِ بے نوا
کہ جو دو جہاں کے ہیں پیشوا ہوں غلام اُن کے غلام کا

نعت

از جناب وفا براہی

دل ہے مستِ جامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
لب پہ ہو وردِ نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دینِ دو عالم دین ہوا انکا حکمِ خدا آئین ہوا انکا
کلمۂ حق پیغامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اہلِ زمیں بھی اہلِ فلک بھی حور و پری بھی جن و ملک بھی
سب پہ ہے فیضِ عامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شانِ فروغِ نورِ تجلی، جلوۂ بامِ طورِ تجلی
رونقِ صبح و شامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

موردِ تسلیم و رضا ہے قبلۂ اہلِ صدق و صفا ہے
سایۂ قصر و بامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انفسِ اہلِ حل و حرم کیا طائرِ جاں تک روحِ قدس کا
سب ہیں اسیرِ دامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مہبطِ وحیِ خاصِ الٰہی، منبعِ فیضِ لامتناہی
ہیں لبِ شیریں کامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نوح ع و خلیل ع و موسیٰ عیسیٰ علیہم السلام رکھتے تھے جس اسلام کا دعویٰ[1]
ہے یہ وہی اسلامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لاکھ غریقِ بحرِ گنہ ہو جانتے ہیں سب لوگ فاکہ
رندِ قدح آشامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[1] شرع لکم من الدین ما وصّیٰ بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ ۱۰

صلِّ علیٰ کہیئے

از

جناب ماہر القادری

رسول مجتبیٰ کہیئے، محمد مصطفیٰ کہیئے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیئے

شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیا کہیئے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوبِ خدا کہیئے

جبین و رُخ محمد کے تجلی ہی تجلی ہیں
کسے شمس الضحیٰ کہیئے، کسے بدر الدجیٰ کہیئے

جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہو جائے
جب ان کا نام آئے مرحبا صلِّ علیٰ کہیئے

غبارِ راہِ طیبہ سرمۂ چشم بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیئے

مرے سرکار کے نقشِ قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستہ کہیئے

محمد کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اسی کو ابتدا کہیئے اسی کو انتہا کہیئے

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو آبِ چشمۂ آبِ بقا کہیئے

مطبوعات جدیدہ

تفسیر ارجوزۃ ابی نواس ترتیب و تحقیق الاستاذ محمد بہجۃ الاثری، تقطیع کلاں کاغذ و کتابت و طباعت عمدہ صفحات ۸۰، قیمت تحریر نہیں، پتہ: مجمع اللغۃ العربیہ دمشق

دولت عباسیہ کا مشہور وزیر فضل بن ربیع علم و ادب کا بڑا قدر داں اور سرپرست تھا، متعدد شعراء اور فضلا اس سے متوسل تھے، ان میں زیادہ مقرب ابو نواس تھا، اس نے فضل کی مدح میں کئی قصیدے کہے تھے، ایک قصیدہ بحر رجز میں ہے جو بعض حیثیتوں سے خاص اہمیت رکھتا ہے، چوتھی صدی ہجری کے مشہور ادیب اور امام لغت و نحو ابو الفتح عثمان بن جنی نے اسکی شرح لکھی تھی، اس میں قصیدہ کے مشکلات حل کئے گئے ہیں اور غریب الفاظ اور نحوی مسائل سے خاص طور پر بحث کی گئی ہے، اس شرح کا ایک قلمی نسخہ مدینہ کے کتبخانہ شیخ الاسلام اور دو لندن کے کتبخانہ میں ہیں، اب دمشق کی مجمع اللغۃ العربیہ کے ایک فاضل ممبر محمد بہجۃ الاثری نے اسکو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، گو فاضل مرتب کے پیش نظر صرف مدینہ ہی کا قلمی نسخہ تھا اور لندن کے دونوں نسخوں تک رسائی نہیں ہو سکی، تاہم انھوں نے اس ایک نسخہ کی مدد سے بڑی محنت و کاوش سے اسکی تصحیح کر کے حواشی و تعلیقات لکھے ہیں، حواشی میں متن کے اسماء و اعلام کے تراجم، بلاد و اماکن کی تحقیق، آیات و احادیث کی تخریج اور ان تحقیق طلب باتوں کی تشریح کی گئی ہے جن سے شارح نے تعرض نہیں کیا تھا یا اختصار کے ساتھ کیا تھا، شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے، اس میں ارجوزہ کی شرح کے متعلق ضروری باتیں، ممدوح (فضل بن ربیع)، قصیدہ نگار (ابو نواس) اور شارح (ابن جنی)

کے حالات درج ہیں، اس نادر اور کمیاب کتاب کو شائع کرکے فاضل مرتب نے عربی زبان و ادب کی مفید خدمت انجام دی ہے،

مدارج سلوک مرتبہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت بہتر صفحات ۲۸۰ مجلد مع گرد پوش قیمت صر، پتہ:- مجلس معارف القرآن دار العلوم دیوبند۔

سلوک و تصوف مصنف کا خاص موضوع ہے اور اس پر ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں وصول الی اللہ کے مندرجہ ذیل چار مدارج کی مفصل تشریح کی گئی ہے، (۱) تزکیہ نفس (۲) تصفیہ قلب (۳) تخلیہ سر (۴) تجلیہ روح۔ فاضل مصنف نے ان طریقوں کی حقیقت و غایت اور ان کے حصول کی صورتیں اور ان میں درجۂ کمال حاصل کرنے کے ذرائع اور ان کے موانع بیان کئے ہیں، اور قرآن و حدیث سے انکی سند پیش کی ہے مگر اس میں بعض ضعیف روایات بھی درج ہو گئی ہیں، تصفیہ قلب کی بحث میں جو درا صل ذکر الٰہی کا نتیجہ ہے، ذکر و صلوٰۃ کی اہمیت، و مقصد اور ذکر کی مختلف صورتوں اور تصوف کے تین مشہور سلاسل قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ میں مروج اذکار و اوراد کا مفصل تذکرہ ہے، فاضل مصنف کو تصوف کے دقیق مسائل و مصطلحات کو سلیس انداز میں بیان کرنے کا خاص ملکہ ہے، یہ کتاب بھی اس کا نمونہ ہے اور علمی اور دینی ذوق رکھنے والوں خصوصاً سالکان طریقت کے مطالعہ کے لائق ہے،

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش مرتبہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ صفحات ۲۱۶ مجلد مع گرد پوش قیمت ۷ر پتہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ،

اس کتاب کے پہلے عربی اور اردو اڈیشنوں پر معارف میں تبصرہ کیا جاچکا ہے، اب اس کا دوسرا

اردو اڈیشن اہم اور مفید اضافوں کے بعد شائع کیا گیا ہے، اہیں اسلامی ملکوں ترکی، پاکستان مصر شام، عراق، ایران، انڈونیشیا، تونس اور الجزائر کے تجدد نواز اور مغربیت پسند عناصر اور اصلاحی تحریکوں اور دینی حلقوں کی کشمکش کا جائزہ لیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ ان ملکوں کے حکمرانوں نے غیر اسلامی اقتدار اور مغربی انداز فکر کو اختیار کر لیا مگر عوام میں اسلام سے ذہنی و جذباتی لگاؤ اور گہری وابستگی پائی جاتی ہے، آخر میں مغربیت کے ہمہ گیر غلبہ کے اسباب۔ اس کے علاج اور مسلمانوں کے داعیانہ اوصاف کردار کی وضاحت کرکے ان ملکوں خصوصاً ان کے سربراہوں کو انکی اصل ذمہ داری کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، مصنف نے جس دلسوزی اور جذبۂ صادق سے یہ کتاب لکھی ہے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان خاص طور سے اس پر غور کریں [یا قومنا اجیبوا داعی اللہ] یہ کتاب ظاہری حیثیت سے نہایت دیدہ زیب ہے،

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات مرتبہ جناب سلام اللہ صدیقی صاحب تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت اچھی صفحات ۱۱۲ قیمت عار پتہ:- مکتبہ اسلامی ادب، للہ پورہ، فاطمان، وارانسی،

بنو ہاشم اور بنو امیہ کی چشمک و مخاصمت مشہور ہے جس میں اصلیت کم اور مبالغہ زیادہ ہے، اس کتاب میں لائق مصنف نے دکھایا ہے کہ دونوں خاندانوں کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے، جاہلی اور اسلامی عہد ہی میں نہیں بلکہ صفین اور کربلا کے واقعات کے بعد بھی دونوں گوناگوں رشتوں میں جکڑے ہوئے تھے اور اسلام میں سبقت اور ایثار و قربانی میں بھی بنو امیہ بنو ہاشم سے پیچھے نہ تھے اور بعض اجتہادی و سیاسی امور میں اختلاف کے باوجود حضرت عثمانؓ و امیر معاویہ کو حضرت علیؓ کی اور یزید کو امام حسینؑ کی عظمت کا پورا اعتراف تھا اس کتاب کا موضوع بڑا نازک ہے تاہم مصنف نے افراط و تفریط سے بچنے کی پوری کوشش

کی ہے، اس لئے یہ شیعہ اور سنی دونوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

تسہیل الاملاء | از لالہ تیج رام صاحب ایم۔ اے، تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت اچھی صفحات ۱۱۲ قیمت ۶/ پیسے پتہ کتبخانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

متقارب الصوت حروف مثلاً ا، ع، ت، ط، ث، س، ص، ذ، ز، ض، ظ اور چند دوسری نوعیت کے مفرد و مرکب الفاظ کے املاء و تحریر میں اشتباہ اور غلطی سے بچنے کیلئے مصنف نے یہ رسالہ لکھا تھا، جس میں اس طرح کے متعدد الفاظ یکجا کرکے ان کے املاء کی صحت کے متعلق ہدایات تحریر کی گئی ہیں، منشی عبدالقدیر صاحب نے لفظوں کے اعراب و معانی کا اضافہ کرکے اسکو شائع کیا ہے، اس زمانہ میں عربی و فارسی بلکہ اردو کا رواج کم ہو جانے سے عام لوگ خصوصاً اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ املا میں فاحش غلطیاں کرتے ہیں، اس کتاب کی اشاعت نے وقت کی ایک ضرورت کو پورا کیا ہے، اردو زبان کے طالب علموں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

بانگ درول | مرتبہ ع۔ م ساجد صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت اچھی صفحات ۱۰۴ مجلہ مع گردپوش قیمت ۲/ پتہ کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ ۴

یہ جناب عبدالماجد اختر سابق صدر شعبۂ فارسی و اردو مظفر پور کالج کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے، مصنف پرانی وضع کے سنجیدہ بزرگ ہیں، انکو تصوف سے بھی ذوق ہے اسلئے انکا کلام عارفانہ و حکیمانہ خیالات، اخلاق اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کے مضامین پر مشتمل ہے، زبان و بیان سادہ ہے اس لئے کلام میں بیساختگی ہے مگر کہیں کہیں سپاٹ اور روکھا پن آگیا ہے، شروع میں جناب عطا کاکوی کے قلم سے مصنف کا عقیدتمندانہ تعارف ہے۔

(ض)